سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جنوری ۱۹۹۶ء

[redacted]

[redacted]



ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۲ | جنوری ۱۹۹۶ء شعبان ۱۴۱۶ھ | عدد ۱

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ ملتان روڈ لاہور ۵۴۵۷۰

فون ۷۵۷۰۱۲۴

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

فون ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے

زر سالانہ -/۱۵۰ روپے

مشرق وسطی -/۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش/مسقط -/۴۵۰ روپے

بھارت -/۳۰۰ روپے

یورپ/مشرق بعید -/۶۵۰ روپے

امریکہ/کینیڈا/آسٹریلیا -/۹۰۰ روپے

○

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

اس وقت مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی بلکہ اصلی مصیبت یہی ہے کہ ان میں تفقہ فی الدین اور تدبر الکتب و السنہ نہیں ہے۔ اسی چیز کے فقدان نے ان کے اعتقادات کو کھوکھلا، ان کی عبادات کو بے روح، ان کی مساعی کو پراگندہ و پریشان اور ان کی زندگیوں کو بے ضابطہ و بد نظم کر دیا ہے۔ اسلام کے شیدائی ان میں بہت ہیں، مگر اسلام کو سمجھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مر مٹنے والوں کی کمی نہیں مگر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین اور شریعت کو پیش کیا ہے اس کی روح اور اس کے اصول کو سمجھنے والے کالملح فی الطعام بلکہ اتنے بھی نہیں۔ یہ اسی نافہمی کے نتائج ہیں کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں، ان میں بدترین قسم کے توہمات اور مشرکانہ عقائد سے لے کر الحاد، دہریت اور کفر کی حد کو پہنچے ہوئے خیالات تک پائے جاتے ہیں اور ان کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ جس اسلام کی پیروی کے وہ مدعی ہیں اس میں اور ان خیالات میں کلی تباین ہے۔ اس سے بدتر حالت اخلاقی و عملی زندگی کی ہے۔ بت پرستانہ رسوم و رواجات سے لے کر جدید مغربی تہذیب کے بدترین ثمرات تک ہر قسم کے اطوار اس قوم میں رائج ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کا پیرو کہتی ہے، اور الا ماشاء اللہ کسی گروہ کو یہ احساس تک نہیں کہ وہ کہاں کہاں اس قانون کے اصول اور قواعد سے صریح انحراف کر گئی ہے جس پر ایمان رکھنے کا اس کو دعویٰ ہے۔ ہر غلط خیال اور غلط طریقہ جو کہیں سے آتا ہے ان میں رواج پا جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں اس کی بھی گنجائش ہے۔ ہر گمراہ کن شخص جو کسی خوش آیند طریقہ پر چل رہا ہے، بآسانی ان کا رہنما بن جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم اس کی پیروی بھی کر سکتے ہیں۔ ہر چیز جو غیر اسلام ہے، وہ بے تکلف اسلام کے ساتھ ایک ہی دماغ اور ایک ہی زندگی میں جمع کر لی جاتی ہے، کیونکہ اسلام اور غیر اسلام کا امتیاز علم و فہم پر موقوف ہے، اور اسی کا یہاں فقدان ہے۔ جو شخص مشرق اور مغرب کا فرق جانتا ہو، وہ کبھی اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ مشرق کی طرف چل رہا ہو اور یہ سمجھے کہ مغرب کی سمت جا رہا ہوں۔ یہ فعل صرف ایک جاہل ہی کا ہو سکتا ہے، اور یہی حالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک کے مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علما، یا خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں۔

(سید ابو الاعلیٰ مودودی، جلد ۷، عدد ۵، جنوری ۱۹۳۶)

طریق انقلاب: اسلحہ یا رائے عامہ؟

خرم مراد

ایک نوجوان دوست لکھتے ہیں:

آج ساری دنیا میں اور بالخصوص پاکستان میں اسلام پر جو کچھ بیت رہی ہے اس پر ہر مذہبی ذہن رکھنے والا پریشان ہے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ میرے جیسے لوگ صرف جذبات کی رو میں بہہ سکتے ہیں' اصل معاملے کا فہم نہیں رکھتے۔ لیکن میرے جذبات گوش گزار ہیں۔

اس وقت پاکستان کو سیکولر بنانے کی تحریک بڑی پلاننگ سے چل رہی ہے۔ مانع حمل اشیا کی تشہیر کے ذریعے زنا کو آسان بنایا جا رہا ہے۔ میڈیا میں انتہائی فحش پروگرام کثرت سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ہر پہلو سے اسلامی شعار کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

جماعت اسلامی کشمیر میں جہاد کے لیے ابھارتی ہے' کیا ان کے اپنے ملک میں جہاد فرض نہیں ہے۔ کشمیر میں قتل اور گینگ ریپ ہے' پاکستانی اخبارات کبھی آپ کی نظر سے گزرے ہیں۔ ایک وزیراعظم سود کو حلال قرار دے' دوسری وزیراعظم اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ' کیا ان کے خلاف جہاد نہیں کرنا چاہیے۔ کیا جماعت اسلامی صرف جیسے جلوس ہی کرے گی۔ کیا جلسے جلوس سے انقلاب آ جاتا ہے۔ کیا یہ جہاد کے زمرے میں آئیں گے۔ کشمیر میں جہاد کرنے والے یہاں کارروائی کیوں نہیں کرتے' فحاشی پھیلانے والے سینما ہال کو بم سے کیوں نہیں اڑاتے۔ قرآن کے متعلق بے ہودہ بات کرنے والے کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کوئی غازی علم دین کیوں اس جماعت سے نہیں نکلتا۔ کیوں ان حالات میں مسلح کارروائی نہیں کی جاتی۔

جب تک آپ اپنے کو مقابلے کی طاقت بنائیں گے' کیا حکمران ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ تمام وسائل ان کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ کے درس قرآن میں ۱۵ آدمی آئیں گے' ان کے

ٹی وی ڈرامے کروڑوں لوگ دیکھیں گے۔ نبی کریمؐ نے صرف درس قرآن ہی نہیں دیے' ماریں کھائیں۔ طاقت کے توازن کا انتظار نہ کیا' اپنے کو آگ میں جھونک کر کندن بنایا۔

یقین کریں بہت دل چاہتا ہے کہ منی سینما ہال میں دھماکے کریں۔ ننگے جسم کی نمائش کرنے والی حوا کی بیٹیوں پر تیزاب ڈال کر ان کے چہرے مسخ کر دیں۔ مگر آپ جیسے علما فتویٰ دینے کے لیے تیار ہیں کہ تمام عمر جہنم میں جلو گے۔ مجھے بتائیں' بیٹھے بیٹھے اسلامی انقلاب کیسے آجائے گا۔ کیا الیکشن جیت کر؟ پھر بھی ناممکن ہے۔ الجزائر کی مثال آپ کے سامنے ہے۔

ایک اور دوست لکھتے ہیں :

میں مولانا مودودی کو اپنا روحانی استاد مانتا ہوں' ان کی بے شمار کتابیں مطالعہ کر چکا ہوں۔ مگر مطالعہ کے دوران اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے ابہام کا شکار ہو جاتا ہوں۔ سردست ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔

ایک روزنامے کے صفحہ اول پر آنے والی کچھ تصاویر بھیج رہا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں' مگر یہ ناپسندیدہ تراشے آپ کو دیکھنا پڑیں گے۔ عصر حاضر میں ہمیں الیکٹرانک میڈیا' ڈش انٹینا اور ویڈیو کلچر کا سامنا ہے۔ ملک میں ویڈیو سنٹروں اور ڈش انٹینا کی تعداد اور مساجد کی تعداد میں اب ۱:۱۰۰۰ کی نسبت ہے۔ بیرونی ثقافت ہماری چار دیواری کے اندر اتر آئی ہے۔ وقت ہمارے خلاف فیصلہ کر رہا ہے۔ جو نسل اس کلچر کی پیداوار ہوگی وہ اسلام پسند نہیں ہوگی۔

میں سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے پاس فکر مودودی کے علاوہ بھی بڑی طاقت ہے۔ ہر برائی کو طاقت سے روکنا عین اسلام ہے۔ لیکن جماعت نے معاشرے کی اصلاح اور نئی نسل کی بقا کے لیے کبھی بھی طاقت کا استعمال نہیں کیا۔ کیا گن پوائنٹ پر ثقافت' صحافت اور میڈیا کو سیدھا راستہ نہیں دکھایا جاسکتا۔ کیونکہ جب تک ہم سیاسی طور پر بااختیار ہوں گے' اس وقت تک شاید کئی صدیاں گزر جائیں گی۔

یہ صرف دو خطوں کا معاملہ نہیں' خیالات کے یہ جھکڑ بہت سے دلوں میں چل رہے ہیں۔ اور اس میں تعجب کی بھی کوئی بات نہیں۔ ایک طویل عرصے سے بے شمار ملکوں میں غلبہ دین کی تحریکوں پر بدترین جبروتشدد ہو رہا ہے' بیش تر جگہ پرامن تبدیلی کے دروازے بالکل بند ہیں۔ جہاں برائے نام کھولے گئے ہیں وہاں عملاً مسدود ہیں' جیسے مصر میں۔ جہاں کچھ کامیابی ہوئی ہے وہاں بھی راستہ روک دیا گیا ہے' جیسے ترکی اور الجزائر میں۔ کہیں مواقع ہونے کے باوجود کامیابی نہیں ہو رہی' جیسے پاکستان میں (اگرچہ' وہ کامیاب ہوتی نظر آئے تو کیا ہوگا' یہ الگ مگر اہم سوال ہے!)۔ اور مسلمان حکمراں دم ہلا کر مغربی آقاؤں کے پیچھے چل رہے ہیں' ان کے سیاسی و معاشی مفادات پورے کر رہے ہیں' اس

کے جواب میں اگر چند لوگ تنگ آمد بجنگ آمد پر اتر آئے ہیں' تو انھیں دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے۔ ان کی اور اپنی خاطر غیر اسلامی ثقافت کو فروغ دے رہے ہیں اور اسلامی قوتوں کو کچل رہے ہیں۔

غلبہ دین کے لیے طریق کار کا مسئلہ ایک عالمی مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ سے' بعض تحریکوں میں افتراق پیدا ہوا ہے' اور متشدد' اسلحہ بردار گروہ وجود میں آئے ہیں۔ بعض جگہ بے اعتدالیاں بھی ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ ان خیالات اور بے اعتدالیوں کو بہانہ بناکر' اندرونی اور بیرونی حکمران اسلامی تحریکوں کو کچل رہے ہیں' اور جہاں تحریکیں موقع نہیں دے رہیں وہاں کچلنے کے لیے فضا بنا رہے ہیں (جیسے پاکستان میں)۔

ہم نے اپنی جدوجہد کو جس اہتمام کے ساتھ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات کی بنیاد پر استوار کیا ہے' اللہ کا شکر ہے' اس کی بنا پر خیالات کی یہ رو عام نہیں ہے۔ جہاں موجود ہے وہاں بھی اس پر اطمینان نہیں ہے' نہ یہ جڑ پکڑ سکی ہے۔ اس کی بنا پر ابھی تک افتراق بھی نہیں پیدا ہوا ہے۔ لیکن پریشان خیالی' خصوصاً اگر اس کی بنیاد مایوسی ہو نہ کہ فکر و استدلال' قوت عمل کو منتشر کر دیتی ہے' شیرازہ بھی منتشر کر سکتی ہے' اور خطرناک نتائج سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس لیے ان خطوط کے مندرجات ہماری گہری توجہ کے مستحق ہیں۔

چند اور محترم' صاحب علم و دانش ور دوست ہیں' جو ہمارے شریک قافلہ تو نہیں مگر غلبہ دین کی منزل کے ہماری طرح جویا ہیں۔ وہ اپنے موقف کے حق میں شرعی اور عقلی دلائل بھی لاتے ہیں' اور ملک کے سماجی' سیاسی اور معاشی حالات اور اب تک کے انتخابات کے تجزیے سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جمہوریت کفر ہے' تبدیلی صرف مسلح جہاد سے آئے گی۔ بعض کے نزدیک اسلامی انقلاب' اپنی نوعیت کے اعتبار سے' انتخاب اور ووٹ سے آ ہی نہیں سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ پورا موجودہ نظام ہی باطل اور فاسد ہے' پہلے اس کو بدل دو۔ بعض کا خیال ہے کہ ہمارا نظام جس طرح کا ہے' اور موجودہ انتخابات جس انداز میں ہوتے ہیں' ان میں کامیابی ناممکن ہے مگر چونکہ ہمارا آئین بالغ رائے دہی کے ذریعے حکمرانوں کے عزل و نصب کی بنیاد پر قائم ہے' اور حکومت کی پرامن تبدیلی کا کوئی راستہ انتخاب کے علاوہ نہیں۔ اس لیے ان تمام سنجیدہ بحثوں کا حاصل بھی' ہمیں درج بالا پریشان خیالی و مایوسی سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتا۔ لیکن چونکہ جمہوریت اور انتخاب کا مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے' اس لیے اسے ہم کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

اس مسئلے پر صحیح فکر تک پہنچنے کے لیے' سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ غلبہ دین کی جدوجہد سے ہمارا اصل مطلوب و مقصود کیا ہے' اور اس سلسلے میں ہماری ذمہ داریوں کی

حدود و شرائط کیا ہیں۔ جتنا یہ ادراک روشن اور صحیح ہو گا' اتنا طریق کار کے بارے میں غلط سوچ یا روش پیدا ہونے کا امکان کم ہو گا۔ ایک دفعہ اس بات کو سمجھ لیں گے' تو فکر کی ایک وسیع' راست شاہراہ ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ پھر تدابیر کے حسن و قبح کے بارے میں اختلاف و بے اطمینانی ہو سکتی ہے' مگر اس شاہراہ کے بارے میں شکوک کے کانٹے ہم خود بہ آسانی نکال پھینکیں گے۔ خیالات کے جھکڑ اڑا کر ادھر ادھر نہ لے جا سکیں گے۔ ہر حال میں شرح صدر کی دولت حاصل رہے گی۔

نصب دین کے معنی و مقصد کو تین باہم مربوط اجزا میں بیان کیا جا سکتا ہے:

ایک' معاشرے اور نظام میں اصلاح و تبدیلی اور اسے دین و شریعت کے مطابق اطاعت الٰہی اور قسط پر قائم کرنا۔ دوسرے' افراد انسانی کا تزکیہ و تعلیم' تاکہ وہ اللہ کے ساتھ جڑیں' اس کی بندگی کریں' اچھے انسان بنیں' اور بالآخر جنت میں جا سکیں۔ تیسرے' اپنی ذات کا تزکیہ اور اور اپنی زندگی میں اقامت دین' تاکہ بالآخر رضائے الٰہی حاصل ہو اور جنت میں جا سکیں۔

ان مقاصد اور ان کے لیے جدوجہد کے مقامات و حدود کیا ہیں؟

پہلی بات: ساری جدوجہد کا اصل مطلوب' صرف ایک ہے: اپنے لیے اور دوسرے افراد کے لیے' جنت کا حصول ممکن بنانا۔ اس لیے کہ اصل زندگی' آخرت کی زندگی ہے۔ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔ جو جنت میں داخل ہو گا وہی کامیاب ہو گا۔ فمن زحزح عن النار و ادخل الجنۃ فقد فاز۔ اس مطلوب کا ظہور آخر میں ہو گا اس لیے اس کا ذکر آخر میں ہے' لیکن اس کا مقام اولین ہے کیونکہ ہر کام سے یہی مقصد حاصل ہونا چاہیے' اور ہر قول و فعل کا محور اور معیار یہی ہونا چاہیے کہ وہ جنت سے قریب کرے گا یا دور۔

چنانچہ اگر حکم طاقت استعمال کرنے کا ہے تو پیچھے رہ جانا اور پیٹھ دکھانا گناہ ہو گا' لیکن اگر حکم ہاتھ روکے رکھنے کا ہے تو طاقت استعمال کرنا اور ہاتھ اٹھانا گناہ ہو گا۔

دوسری بات: اسی لیے' اصل اہمیت افراد کی ہے نہ کہ اجتماعی نظام کی۔ افراد کی اصلاح بجائے خود مطلوب ہے' جبکہ اجتماعی نظام کی اصلاح' انتہائی اہم ہونے کے باوجود' بجائے خود مطلوب نہیں۔ وہ افراد کی اصلاح اور ان کی دنیوی و اخروی فلاح کے لیے مطلوب ہے۔ اور اس لیے بھی کہ انسانوں کی قوت کے ذریعے ہی دین کا قیام ممکن ہے' انھی کے اوپر وہ قائم ہو گا' انھی کے ذریعے قائم رہے گا۔

چنانچہ اجتماعی اصلاح کی خاطر کوئی ایسے طریقے اختیار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا جن سے افراد کی اصلاح کا دروازہ بند ہوتا ہو' یا وہ جنت سے دور اور آگ سے قریب ہوتے ہوں۔ تشدد سے دلوں کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ لوگوں کو مارنے سے ان کی ہدایت کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو

ہلاک کرنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ان پر اتمام حجت ہو گئی ہو' اور ان کی اصلاح سے مایوسی - اس کا تعین وحی الٰہی کے بند ہو جانے کے بعد ممکن نہیں - اس لیے' الا یہ کہ اللہ کے احکام کے مطابق جہاد کرتے ہوئے مخالفین مارے جائیں' صرف دین کی مخالفت یا گناہوں کی سزا میں لوگوں کو ہلاک کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے - بے گناہوں کو' خصوصاً عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو مارنا' تو جہاد میں بھی منع ہے - اسی طرح' اگر مسلح انقلاب کی کوشش میں لوگ کثرت سے مارے جائیں' آبادیاں ملبہ بن جائیں' تو پاکیزہ نظام کن لوگوں پر قائم ہو گا اور اس کی برکات سے کون مستفید ہو گا - کیا صرف چند پاکیزہ نفوس

تیسری بات : ہر فرد انفرادی طور پر امتحان میں ڈالا گیا ہے' وہ خود ہی اپنی جواب دہی کرے گا - اسی لیے اس کو آزادی اور اختیار بخشا گیا ہے - اس کو مجبور کر کے اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی - تو اس شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے علاوہ انسان کے اوپر کوئی طاقت نہیں دی گئی - انبیا پر بھی بار بار واضح کیا گیا کہ تم کتنا ہی چاہو' کسی کو ہدایت پر چلانا تمھارے بس میں نہیں' تمھیں داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا - انھیں دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا' اسی کے لیے مسئول بنایا گیا - لوگ مان لیں' جمع ہو جائیں' مطلوب قوت فراہم ہو جائے' ان کے ذریعے جہاد کر کے نظام بدل دیا جائے' یہ ایک الگ بات ہے -

گن پوائنٹ پر ایک دل بھی سیدھا نہیں ہو سکتا' کجا یہ کہ سیاست' ثقافت' صحافت اور قوم سب کو سیدھا کر دیا جائے - مارشل لا کے ناکام تجربات ہمارے سامنے ہیں - جنرل یحییٰ ڈھاکہ آئے تھے' تو میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ آپ مسیحا کا رول نہ سنبھالیں - اگر ڈنڈے سے قوم کی اصلاح ہوا کرتی تو اللہ تعالیٰ انبیا کے بجائے فیلڈ مارشل مبعوث کیا کرتا - چنانچہ جدوجہد کرنے والوں کا پہلا فرض تو جو جانتے نہیں انھیں حق کا پہنچانا ہے - مطلوب حد تک یہ فرض ادا کیے بغیر طاقت کے استعمال کا جواز نہیں - جن کو ابدی زندگی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہم ابھی تک ادا نہیں کر سکے' ان کو سینما ہال میں بیٹھے بیٹھے موت کا پیغام پہنچا دینا' کس طرح اللہ کو پسند ہو سکتا ہے ؟ جن حوا کی بیٹیوں کے کانوں میں اب تک ہم وہ تریاق نہیں ڈال سکے جو ان کے دلوں کو سلیم بنا سکتا ہے' ان کے اوپر تیزاب ڈال کر ان کے چہرے مسخ کر دینے سے ہم جنت کے مستحق کیسے بن سکتے ہیں ؟

چوتھی بات : طاقت کا استعمال اگر جائز بھی ہو تو اس کے لیے ایک سرجن کی سی ہمدردی' سوز اور مہارت ضروری ہے - جہاں اس استعمال کے پیچھے مایوسی' غصے اور نفرت کے نفسانی جذبات کارفرما ہوں وہ نہ استعمال کرنے والوں کے لیے فلاح کا باعث ہو سکتا ہے' نہ مقصد اصلاح کے لیے -

پانچویں بات : اسی لیے جب تک پرامن ذرائع سے دعوت پہنچانے' منوانے اور اجتماعی تبدیلی لانے کے راستے کھلے ہوئے ہوں' اور جس وقت تک رائے عامہ اسلامی انقلاب کی پشت پناہی کے لیے

تیار نہ ہو جائے' اس وقت تک اسلحہ اٹھا کر جہاد کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اور حکمرانوں کے چند اقوال و افعال کی بنیاد پر ان کی تکفیر کر کے ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا تو کوئی حکم ہمیں نہیں ملتا۔ پاکستان میں نہ صرف یہ کہ دعوت کی راہ میں کوئی جبر و تشدد حائل نہیں بلکہ لوگوں کو ساتھ لے کر انتخابات کے پرامن ذریعہ سے حکومت کی تبدیلی بھی ممکن ہے۔ اسی لیے سید مودودی نے واضح طور پر کہا تھا: "آپ جس ملک میں کام کر رہے ہیں' وہاں ایک آئینی اور جمہوری نظام قائم ہے۔ اس نظام میں قیادت کی تبدیلی کا ایک ہی آئینی راستہ ہے: انتخابات۔ ایک آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لیے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لیے جائز نہیں۔ اسی بنا پر آپ کی جماعت کے دستور نے آپ کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ آپ اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لیے آئینی و جمہوری طریقوں ہی سے کام کریں (لائحہ عمل' ص ۲۰۵)۔

چھٹی بات: برائی کو ہاتھ سے روکنا یقیناً اسلام کا حکم ہے' لیکن حکم اس چیز کے لیے ہے جو ہمارے دائرہ اختیار میں ہو' جہاں یقینی ہو کہ ہاتھ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے اصلاح کا امکان نہیں' جہاں ایک منکر کے ازالہ سے دوسرا اس سے بڑا منکر وجود میں نہ آئے' خصوصاً فساد فی الارض جیسا منکر نمودار ہو۔ احیاء العلوم میں اس موضوع پر امام غزالی نے شافی بحث کی ہے۔

ساتویں بات: اس طریق کار پر عمل کرنے کے لیے بڑے صبر کی ضرورت ہے۔ صبر ہی سے تقویٰ اور حکمت کا سرمایہ ہاتھ آتا ہے جو کامیابی کے لیے ناگزیر ہے۔ وان تصبروا وتتقوا۔ ۱۹ آیات میں قرآن نے نبی کریمؐ کو صبر کرنے کی تاکید کی ہے' جدوجہد کا فیصلہ اللہ پر چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ ۳۰ سے زیادہ آیات میں جنت اور دنیا میں کامیابی صبر کے ساتھ مشروط کی گئی ہے۔

پرامن اعلائے کلمتہ الحق میں یقیناً ابھی کامیابی نہیں ہو رہی' اور دیر لگ رہی ہے' لیکن کیا مسلح جدوجہد کے ذریعے سے کامیابی ہو رہی ہے' یا جلد منزل ہاتھ آتی نظر آ رہی ہے؟ اگر ایک طرف الجیریا' ترکی اور پاکستان میں ناکامی کی مثالیں ہیں' تو دوسری طرف مسلح جدوجہد کے باوجود شام' مصر' افغانستان اور خود الجیریا میں بھی ناکامی کی مثالیں موجود ہیں۔ یقیناً جہاں پرامن ذرائع سے کام ہو رہا ہے' وہاں غلط حکومتیں قائم ہیں' اور بگاڑ بڑھ رہا ہے۔ لیکن جہاں طاقت استعمال ہو رہی ہے' کیا وہاں حکومتیں گر رہی ہیں اور بگاڑ کم ہو رہا ہے؟

جماعت اسلامی' سید مودودی کی دعوت پر جمع ہوئی ہے۔ انھوں نے اسے قرآن و سنت کی روشنی میں جس طریق کار کا پابند کیا' وہ انھی کے الفاظ میں سنیے: ۱۹۶۲ء میں' مکہ معظمہ میں' وہ ان عرب نوجوانوں سے خطاب کر رہے تھے۔ جو ۱۰ سال سے ایسے بد ترین جبر و استبداد اور تعذیب و تشدد کا

شکار تھے جس کا عشر عشیر بھی پاکستان میں پیش نہیں آیا۔ ان سے انھوں نے کہا: "میری آخری نصیحت یہ ہے کہ آپ کو خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے' اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعے سے برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے ... لوگوں کے خیالات بدلیے' اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہو گا وہ ایسا پائے دار اور مستحکم ہو گا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو جائے تو جس راستے سے آئے گا اسی راستے سے وہ ہٹایا جا سکے گا" (تفہیمات' ج ۲' ص ---)

پھر ۱۹۶۸ میں لندن کے عربی رسالہ مجلة الغربا کو انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے مزید کہا: اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کو "ہر طرح کے خطرات و نقصانات برداشت کر کے بھی علانیہ' پرامن اعلائے کلمت الحق کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے' خواہ اس کے نتیجے میں ان کو قید و بند سے دوچار ہونا پڑے' یا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانے کی نوبت آئے" (تصریحات' ص ۱۵۷)۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے دوست' مایوسی اور غم و غصے سے بالاتر ہو کر' سوچیں گے تو انھیں شرح صدر حاصل ہو جائے گا کہ جو بنیادی طریق کار جماعت اسلامی نے اختیار کیا ہے وہ عین قرآن و سنت کا منشا ہے۔ دنیا میں بھی کامیابی کا امکان ہے تو اسی طریق کار میں مضمر ہے۔

اس سب کے باوجود' جب سے وزیراعظم نے امریکہ کو یہ پیش کش کی ہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے خلاف فرنٹ لائن ریاست بنانے کے لیے تیار ہے' اس وقت سے حکومت اور میڈیا کے چند حلقوں نے دینی عناصر کے خلاف بالعموم' اور جماعت اسلامی کے خلاف بالخصوص' دہشت گردی اور مسلح جدوجہد کے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات کی ایک منظم مہم چلا رکھی ہے۔ کبھی دینی مدارس کو ہدف بنایا جاتا ہے' کبھی فرقہ وارانہ تشدد اور نفرت کو۔ حالانکہ سیکولر اداروں میں تشدد کچھ کم نہیں' اور کراچی و پنجاب میں "جمہوریت" کے دعوے داروں کے درمیان قتل و خون ریزی اور منافرت و تشدد کے مقابلہ میں مذہب کے نام پر کارروائیاں کچھ بھی نہیں۔ رمزی یوسف کی گرفتاری ہو' مصری سفارت خانے پر بم کا دھماکا ہو' مرحوم جنرل ضیاالحق کے دور کا ذکر ہو' انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کا کوئی طالب علم ملوث پایا جائے' فرقہ وارانہ فساد ہو' ملی یک جہتی کونسل کا قیام ہو' جماعت اسلامی کا اجتماع عام ہو' فوجی افسروں پر ڈسپلن کی خلاف ورزی کا الزام ہو' تان اسلام کے'

دینی عناصر کے 'اور جماعت اسلامی کے خلاف آکر ٹوٹتی ہے۔

اس پروپیگنڈا مہم کے خطوط واضح ہیں : گوئبلز کی طرح جھوٹے الزامات لگاتے جاؤ' ہر چیز کا رشتہ اسلام اور اسلام کے شعار و علامات سے جوڑو 'ایک بھیانک تصور بناؤ' اور اس طرح عام ذہن کو زہر آلود کر دو۔ فوجی افسر کیا کرنا چاہتے تھے 'کوئی بات ثابت نہیں۔لیکن بڑی چابک دستی سے اس کا "رشتہ اسلامی انقلاب" '"امیرالمومنین" بننے' اور "شریعت" نافذ کرنے سے جوڑ دیا گیا۔ مسلم ممالک سے مہمان آئے 'تو وہاں کی غیر قانونی ' دہشت گرد جماعتوں سے رابطوں کے جال کی نشاندہی کر دی گئی۔جماعت اسلامی کے اجتماع عام میں اسلامی انقلاب کے نعرے لگے 'تو اس پر بغاوت پر اکسانے کا الزام دھر دیا گیا' اس کو غیر قانونی سرگرمیوں کا مرتکب ٹھہرایا گیا الارم کا بگل بجا دیا گیا کہ جمہوریت ' دہشت گرد اور عسکریت پسند بنیاد پرستوں کے ہاتھوں سب سے سنگین خطرے سے دوچار ہے۔

جماعت اسلامی ' مستقلاً اپنے اس طریق کار پر گام زن ہے کہ "تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعے سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے اور رائے عامہ کو ان تغیرات کے لیے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیش نظر ہیں"۔ جماعت کی نصف صدی کی تاریخ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔کوئی شخص اس پوری تاریخ میں کوئی داغ نہیں دکھا سکتا کہ اس نے کبھی اپنے دستور کی خلاف ورزی کی ہو' اور ایسے ذرائع اور طریقے اختیار کیے ہوں جو "صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہوتا ہو"۔

اس کی سرگرمیوں میں غالب حصہ دعوتی 'تبلیغی 'تعلیمی اور رفاہ عامہ کے کاموں کا ہے' یہ تو اظہر من الشمس ہیں۔ یہ بات بھی سب ہی جانتے ہیں کہ اس نے قرارداد مقاصد کا مطالبہ منظور کرایا تو رائے عامہ ہموار کر کے 'اسلامی دستور کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کیا تو رائے عامہ کے بل پر' ایوب خاں کے مارشل لا کے خلاف جدوجہد کی تو جمہوری طریقوں سے 'ان سے بنیادی حقوق بحال کروائے تو نومیل لمبا دستخطی محضرنامہ تیار کر کے 'بھٹو صاحب کے سول مارشل لا سے نجات حاصل کی تو انھی کی آمبلی کے فلور پر 'قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا تو انھی کی اسمبلی کے قانون کے ذریعے 'ان کی جمہوری آمریت کے خلاف جدوجہد کی تو انتخابات کے جمہوری طریقے سے ' یہاں تک کہ اسے خلاف قانون قرار دیا گیا 'قید اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں 'تو بھی اس نے عدالتوں ہی سے رجوع کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ' اور تمام مسلم ممالک میں ' جمہوریت کو کچلنے اور سیاسی و معاشی آزادیوں سے محروم کرنے میں پیش پیش سیکولر اور لبرل ' فوجی اور سیاسی عناصر رہے ہیں۔مگر خطرناک

گردانا جاتا ہے تو دینی عناصر کو۔ مصطفیٰ کمال، جمال عبدالناصر، سوکارنو، ایوب خاں، بھٹو، صدام حسین حافظ اسد ان میں سے کسے مذہبی کہا جاسکتا ہے۔ جماعت اسلامی نے ایک طرف ہمیشہ آمریت کے خلاف اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کی ہے تو اس نے دوسری طرف اس نے کبھی سیاسی مزاحمت کو ایسی منافرت میں نہیں بدلنے دیا جو قومی مفاد کے لیے نقصان دہ ہو، جیسے کہ آج پیپلز، مسلم لیگ اور ایم کیو ایم کر رہے ہیں۔ ایوب خاں کے مارشل لا کے خلاف وہ پیش پیش تھی، انھوں نے جماعت اسلامی کو غیر قانونی قرار دیا اور اس کی ساری قیادت کو جیل بھیج دیا، مگر ۱۹۶۵ کی جنگ میں سید مودودی نے بلاتامل دست تعاون دراز کر دیا۔ وہ ختم ہوئی تو پھر تحریک بحالی جمہوریت کی قیادت میں مصروف ہوگئے۔ بھٹو صاحب کی سول آمریت کے خلاف بھی جماعت نے بھرپور جدوجہد کی، مگر ان کی بدترین گالیوں اور انسانیت سوز کارروائیوں کے باوجود جب وہ شملہ کانفرنس کے لیے گئے تو میاں طفیل محمد انھیں رخصت کرنے ایرپورٹ گئے۔ ضیاء الحق صاحب نے افغان جہاد کی پشت پناہی کی اور قانون اور ثقافت میں کچھ اسلامی اقدامات کیے تو جماعت نے ان اقدامات کو سراہا، مگر کوئی دن ایسا نہ گیا جب ان پر یہ دباؤ نہ ڈالا ہو کہ وہ وردی اتاریں، بنیادی حقوق بحال کریں، اور حکومت عوام کے منتخب نمایندوں کے حوالے کر دیں۔

حق یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف حکومت اور میڈیا کے چند حلقوں کے الزامات محض من گھڑت ہونے سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ یہ الزام ایک گھناؤنے منصوبے کا حصہ ہیں، جس کا مقصد جماعت اسلامی اور دیگر دینی اداروں اور تنظیموں کو کچلنا ہے۔

چنانچہ لاہور کا انگریزی روزنامہ دی نیوز اپنے اداریہ میں جماعت اسلامی پر انگلی رکھتے ہوئے کہتا ہے: بے شک صدر اور وزیراعظم، مذہب کے لبادے میں دہشت گردی کے اس خطرے سے لڑنے کا عزم کر چکے ہیں، لیکن اس کے لیے مضبوط سیاسی ارادے اور عوام اور تمام خفیہ ایجنسیوں کی پشت پناہی ضروری ہے۔ "یہ کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ "ماضی میں آدھے پونے اقدامات سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، الٹا ان مذہبی انقلابیوں کے حوصلے اور مضبوط ہوئے"۔ اب تو اسے پوری طرح کچلنے اور ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ "حکومت اکیلے یہ عظیم کام سرانجام نہیں دے سکتی، جسے ہر سطح پر اور ہر شعبے میں کیا جانا ضروری ہے۔ اس لیے حکومت اور اپوزیشن کو متحد ہو جانا چاہیے تاکہ سیاسی و معاشی آزادی کے خلاف اس سنگین خطرہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے"۔

کراچی کا انگریزی ماہنامہ ہیرالڈ لکھتا ہے: "حکومت کا سارا نزلہ سپاہ صحابہ جیسے فرقہ وارانہ گروہوں پر گرتا ہے، جن جماعتوں کے بین الاقوامی دہشت گردی سے روابط ہیں، ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ (مصری سفارت خانہ پر حملہ کے بعد) اب بھی ایسا لگتا ہے کہ حکومت کے

اعصاب جواب دے رہے ہیں"۔ اس کالم کے اوپر جماعت اسلامی کے اجتماع عام اور امیر جماعت قاضی حسین احمد صاحب کی تصویر ہے۔

اس مہم کی تازہ ترین اور سب سے شرمناک مثال فار ایسٹرن اکنامکس ریویو دی نیوز هیرالڈ میں اور دیگر اخباروں میں احمد رشید کی یہ خبر ہے کہ "جماعت اسلامی چین کے سنکیانگ صوبے میں اسلامی انقلاب کے لیے مسلح جدوجہد کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ بیجنگ کو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنکیانگ میں تیزی سے بننے والی مساجد و مدارس کے لیے رقم کہاں سے آ رہی ہے؟ چین نے بارہا اسلام آباد سے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی اور اس جیسے دینی گروپوں پر پابندی لگائی جائے"۔ اگرچہ اگلے ہی روز چین کی حکومت نے اس من گھڑت خبر کی مکمل تردید کر دی' لیکن خبر برقرار رہی۔ اس کا مقصد بالکل عیاں ہے۔ لوگ کس طرح میڈیا کے یک طرفہ اور من گھڑت الزام پر یقین کر لیتے ہیں' اس کی نمایاں مثال فوجی افسران پر مبینہ "اسلامی انقلاب" کے الزام کی ہے۔ جو کہانی حکومت نے بیان کی ہے اس میں سنگین خلا ہیں' ثبوت کا شائبہ بھی فراہم نہیں کیا گیا ہے' مقدمہ شروع نہیں ہوا ہے' کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیے فوج اور حکومت تیار نہیں' لیکن اس خبر پر اس طرح یقین ظاہر کیا گیا ہے گویا آسمان سے وحی نازل ہوئی ہے' اور اس کے بہانے فوج میں اسلامیت کو' اسلام کو' اور اسلامی تحریکوں کو جی بھر کے لتاڑا گیا ہے۔

یہ صورت حال اس بات کا اندیشہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے کہ جماعت اسلامی پر ہاتھ ڈالنے کے لیے فضا بنائی جا رہی ہے' اور یہ اقدام کرنے کے لیے یہ ضروری نہ ہو گا کہ جماعت کے خلاف کوئی الزام ثابت بھی کیا جائے۔ اگرچہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ' پاکستان کی سیاسی و سماجی روایات کے پس منظر میں' یہ کام آسان نہ ہو گا' لیکن ہمیں تمام آزمائشوں کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ہم پورے شرح صدر اور استقامت سے اسی طریق کار پر جمے رہیں جس کی تعلیم قرآن و سنت نے دی ہے' اور جس پر سید مودودی ہمیں قائم کر گئے ہیں۔ جوش اور جذبات میں ہمارا قدم اس راہ سے ہٹنے نہ پائے۔ حکومت اور میڈیا کے غلط پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لیے عوامی روابط کا جال بچھا دیں۔ اس صورت حال کو رونما ہونے سے روکنے کے لیے تمام حکیمانہ تدابیر اختیار کریں۔ خصوصاً زیادہ سے زیادہ دوست بنائیں' تاکہ کسی ایسے وقت ہم تنہا نہ ہوں۔ اصل دوست اللہ ہے' اس سے اپنی دوستی مضبوط کریں۔ اتنا صبر اور اتنا عزم پیدا کریں کہ' سید مودودی کی ہدایت کے مطابق "ہم علانیہ پرامن اعلائے کلمۃ الحق کے راستہ" پر ہی چلتے رہیں' "خواہ اس کے نتیجے میں قید و بند سے دوچار ہونا پڑے یا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانے کی نوبت آجائے"۔

حکمتِ دعوت

حکمت یہ ہے کہ آپ جب کام کرنے اٹھیں تو اپنی تحریک کے نقطہ نظر سے جائزہ لے کر دیکھیں کہ آپ کن حالات میں کام کر رہے ہیں۔ تحریک کے نقطہ نظر سے جائزہ لینے کا مطلب اس حقیقت کو سمجھنا ہے کہ آپ جو کام کرنے اٹھے ہیں اس کا کام کے لحاظ سے اس وقت کون سی چیز اس مقصد کے لیے معاون ہے اور کون سی چیز مانع ہے؟ آپ اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کریں۔ پھر جو چیزیں مانع ہیں ان کا اس پہلو سے جائزہ لیں کہ ان کی وسعت کیا ہے۔ یہ کس پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے پیچھے کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ ان کا اپنا پس منظر کیا ہے کہاں سے یہ آ رہی ہیں اور ان کا مقابلہ کس طریقے سے کیا جاسکتا ہے؟

ایک آدمی جو حکیم ہو وہ سب سے پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کرے گا کہ میں کس زمانے میں اور کن حالات میں کام کر رہا ہوں۔ حکمت و دانش مندی کے ساتھ کام کرنے والا دین کی دعوت لے کر اٹھے گا تو اس چیز کو بھی نظرانداز نہیں کرے گا کہ کتنا کچھ مصالحہ اس کے گردوپیش میں موجود ہے جو اس کام کے لیے مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ یہ دیکھے گا کہ جس سوسائٹی میں وہ کام کرنے چلا ہے وہ اسلام کو ماننے والی ہے یا اس کی مخالف ہے؟ چنانچہ ایک آدمی اسلام کی سخت مخالف اور دشمن سوسائٹی میں ہوگا تو وہ کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے گا۔ جبکہ دوسرا آدمی جو اسلام کی منکر سوسائٹی میں ہو مگر وہ سوسائٹی دشمنی میں سرگرم نہ ہو تو وہ وہاں کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے گا۔ اسی طرح جب ایک آدمی ایسی سوسائٹی میں ہو جس میں اسلام کو ماننے والوں کی کثیر تعداد پہلے سے موجود ہو تو لازماً وہ وہاں دین کا کام کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے گا' اور ان میں سے ہر طریق کار میں دین ہی کا مفاد اور حکمت موجود ہوگی۔ سخت نادان ہوگا وہ آدمی جو ایک ہی نسخہ لے کر بیٹھ جائے اور ہر سوسائٹی میں اسی کو تقسیم کرنا شروع کر دے۔ حکیم پہلے سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ میں جس سوسائٹی میں کام کر رہا ہوں اس کے اندر کتنا مواد موجود ہے جو اس کی مطلوبہ تعمیر میں کام کر سکتا ہے۔ اب اس کی کوشش یہ ہوگی کہ جتنا موجود ہے وہ ضائع نہ ہونے پائے گویا اس کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ اس سرمائے کی حفاظت کرے۔

حکمت و بصیرت کیوں ضروری ہے؟

ایسے آدمی کو عاقل و دانا قرار دینا بہت مشکل ہے جو مسلمانوں کے اندر پھیلی ہوئی بداخلاقیوں کو دیکھ کر یا ان میں تساہل کو محسوس کر کے پہلے تو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سوسائٹی اسلام سے منحرف ہو چکی ہے اور پھر اس احساس کے نتیجے میں وہ اس طرح کام کا آغاز کرے جیسے وہ کفار کے درمیان کام کر رہا ہے۔ حالانکہ جو چیز ہمارے پاس واقعی موجود ہے' اور اسلام کے لیے سازگار ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس کو ضائع نہ ہونے دیں اور کوشش کریں کہ یہ اور زیادہ مددگار بنے۔ دور پھینکنے کی بجائے اس کو قریب لانے کی کوشش کریں۔ جو چیزیں اس کو بگاڑنے والی ہیں ان کی مزاحمت کریں تاکہ یہ مزید نہ بگڑے۔ ہم ہمیشہ اس بات کو اپنے سامنے رکھیں کہ جیسا کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی لوگوں میں جذبہ موجود ہے وہ اسلام کے حق میں کام آئے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک حکیم اپنے کام کا آغاز کیسے کرتا ہے اور اس کام کے لیے بصیرت و حکمت کی ضرورت کیوں ہے۔

اسی طرح دین کا کام کرنے والے کو یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ کون سی قوتیں ہیں جو یہاں اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ان کے پیچھے محرکات کون سے ہیں۔ ان کے افکار کا ماخذ کیا ہے' ان کا فلسفہ کیا ہے' وہ بنیادیں کیا ہیں جن پر یہ قوتیں کام کرنے اٹھی ہیں۔ ان ساری چیزوں کا جائزہ لے کر وہ دیکھے گا کہ کیسے ان سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور کیوں کر ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص جو کسی پہلوان سے کشتی لڑنے جا رہا ہو' وہ پہلے یہ دیکھے گا کہ یہ پہلوان کتنا طاقتور ہے؟ اس کا وزن کیا ہے؟ اس کے معروف داؤ پیچ کون کون سے ہیں' اس کے سابقہ مقابلوں کا کیا نقشہ ہے۔ اس کے مقابلے میں مجھے کتنی تیاری کرنی چاہیے اور کتنی طاقت فراہم کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان سارے پہلوؤں کا جائزہ لے کر مقابلے کے لیے آگے بڑھے گا۔ دوسرے کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر اکھاڑے میں اترنے والا آپ سے آپ پچھڑے گا۔

اس کے ساتھ حکمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ لائن آف ایکشن (Line of Action) ایسی اختیار کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ موجود مواد استعمال ہو سکے اور جو موجود مواد کو زیادہ سے زیادہ مددگار بنانے کے لیے موزوں ہو۔ مزاحم طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں وہ زیادہ سے زیادہ طاقت فراہم کرے اور ایسا لائحہ عمل اختیار کرے کہ مزاحم طاقتوں کا زور زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد ٹوٹ سکے۔

میرے نزدیک مختصراً حکمت کا مفہوم یہی کچھ ہے۔

شاہ ولی اللہ کے اصولِ تفسیر

قرآن مجید کے باب میں شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ تا ۱۷۶۲) اور ان کے خانوادے نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے تشریحی حواشی کے ساتھ قرآن کا فارسی ترجمہ کیا' اور یہ دروازہ اس طرح کھلا کہ اردو میں ترجموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انھوں نے نہ صرف قرآن کے ترجمے کے اصول مرتب کیے بلکہ فارسی میں تفسیر کے اصولوں پر بھی ایک مہتم بالشان رسالہ تصنیف کیا۔ یہ رسالہ ہی قرآن فہمی کے لیے ایک ناگزیر کلید ہے' لیکن بعض اصول اس راہ میں گہری بصیرت اور انقلابی مضمرات پر مشتمل ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین کے لیے شاہ صاحب کے اصول تفسیر کے اہم نکات کا خلاصہ بہت مفید ہوگا (مدیر)۔

اس بندۂ ضعیف پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات کیے ہیں' ان میں سب سے بڑا انعام قرآن عظیم کے فہم کی توفیق ہے۔ اور امت کے اس کم ترین شخص پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے انتہا احسانات کیے ہیں' ان میں سب سے بڑا احسان اس فرقان کریم کی تبلیغ ہے۔

فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتا ہے: جب کہ اس فقیر پر کتاب اللہ کو سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا ہے' تو میں چاہتا ہوں کہ بعض مفید نکات' جو کلام اللہ کو سمجھنے میں دوستوں کے کام آسکتے ہیں' ایک مختصر رسالے میں جمع کر دوں۔ حضرت باری تعالیٰ کی عنایت سے امید ہے کہ صرف ان قواعد کو سمجھ لینے سے طالب علموں کے لیے کتاب اللہ کے سمجھنے کے لیے ایک وسیع اور واضح راہ کھل جائے گی جو کتبِ تفسیر کا مطالعہ کرنے سے یا مفسرین سے قرآن پڑھنے سے بھی ہاتھ نہ آئے گی۔

میں نے اس رسالے کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا ہے۔

۱ - علومِ قرآنی

قرآن مجید کے علوم پانچ قسم کے ہیں' اس کی کوئی تعلیم ان سے باہر نہیں۔ انھی علوم پنج گانہ کا بیان' قرآن کے نزول کا اصل مقصد ہے:

۱۔ علمِ مخاصمہ: یعنی گمراہ فرقوں جیسے مشرکین' یہودیوں' عیسائیوں اور منافقین کے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ۔

۲۔ علمِ تذکیر بآلاء اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور آیات کا علم' جیسے زمین و آسمان کی

پیدائش، بندوں کو ان کی ضروریات کی تعلیم اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان۔

۳۔ علم تذکیر بایام اللہ: یعنی تاریخی واقعات کا علم، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتے ہیں، جیسے مطیع بندوں پر انعامات اور مجرموں پر عذاب کے واقعات۔

۴۔ علم تذکیر بموت و مابعد: یعنی موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا علم، جیسے حشر و نشر، حساب و میزان اور جنت و جہنم کا بیان۔

۵۔ علم احکام: یعنی فرض، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام امور کے احکام کا علم، خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، معاشرت سے ہو یا سیاست و معیشت سے۔

۲ ۔ اسلوب قرآنی

سب سے پہلے یہ بنیادی بات جاننا ضروری ہے کہ قرآن میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش اور اسلوب پر ہوا ہے، جو اس کے اولین مخاطب تھے، اور متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ مثلاً، آیات احکام میں وہ اختصار نہیں ملحوظ رکھا گیا جس کا اہتمام قانون کے مسودہ نگار کرتے ہیں، نہ اصولیوں کی طرح غیر ضروری قیود کی تنقیح کی گئی ہے۔ اسی طرح آیات مخاصمہ میں منطقیوں کی طرح دلائل پیش نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ مخاطبوں کے نزدیک مُسلّمہ امور نیز مشہور و معروف کلیات پر، اور خطاب کے مفید مطلب اسلوب پر بحث کا مدار رکھا گیا ہے۔ ادیبوں کی طرح ایک مضمون ختم کر کے دوسرا مضمون شروع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جو بات بندوں کو بتانا ضروری سمجھا ہے اسے بیان کر دیا ہے، خواہ وہ مقدم ہو جائے یا موخر۔

۳ ۔ شان نزول

[شان نزول کی اصل حقیقت کو سمجھنا، فہم قرآن کے لیے انتہائی اہم ہے۔ تفصیل بعد میں آئے گی، مجملاً یہ جاننا چاہیے کہ] مفسرین عام طور پر ہر آیت کے ساتھ، احکام کی ہو یا مخاصمہ کی، کوئی نہ کوئی قصہ ضرور جوڑتے ہیں، اور اسے اس آیت کا سبب نزول قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد، [یعنی اس کی شان نزول] صرف ایک ہے: وہ ہے انسانوں کے نفوس کا تزکیہ و تہذیب، اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کا ازالہ۔

چنانچہ آیاتِ مخاصمہ کی شان نزول لوگوں کے باطل عقائد ہیں، [خواہ وہ کسی زمانے اور کسی قوم میں ہوں]۔ آیات احکام کی شان نزول ان کے فاسد اعمال ہیں، اور آیات تذکیر کی شان نزول یہ ہے کہ لوگ اللہ کی نعمتوں، تاریخی واقعات اور حیات بعد الموت سے تنبیہ حاصل نہیں کرتے۔

جزئی واقعات کی ان تفصیلات کو، جنھیں بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے، (فہم قرآن میں) کچھ

دخل نہیں ہے۔ ہاں' چند آیات ایسی ضرور ہیں جن میں آنحضرتؐ کے زمانے میں یا آپؐ سے پیش تر' ہونے والے کسی واقعے کا ذکر ہے۔ اس واقعے کو بیان کیے بغیر مخاطب کی تشفی نہ ہوگی' [نہ مفہوم پوری طرح واضح ہوگا]۔پس لازم ہے کہ علومِ قرآنی کی تفسیر اس طرح کریں کہ (شانِ نزول کے) ان واقعات کی مدد لینا ضروری نہ ہو۔

۱ – علومِ قرآن

علمِ مخاصمہ

[اس باب میں قرآن کا اسلوب وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کا بہترین و کامل نمونہ ہے۔]

قرآن مجید میں مخاصمہ کی دو قسمیں ہیں: ایک گمراہ لوگوں کے باطل عقائد کو بیان کر کے' اور ان عقائد کی خرابیاں واضح کر کے' ان کو رد کیا گیا ہے۔ دوسرے' ان کے شبہات بیان کر کے' انھیں' واضح اور قطعی دلائل یا خطابی اسلوب سے' دور کیا گیا ہے۔

۱ – مشرکین

مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے' اور ملت ابراہیمی کی پیروی کے دعوے دار تھے۔

ملت ابراہیمی کے حج' قبلے کی طرف رخ' غسل جنابت اور ذبیحہ جیسے شعار وہ تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح اصل ملت میں وضو' نماز' روزہ' یتامی و مساکین کے لیے صدقہ جیسے نیک اعمال بھی مشروع تھے۔ جو یہ احکام بجا لائیں' مشرکین ان کی تعریف کرتے تھے' اگرچہ انھوں نے ان احکام پر عمل تقریباً ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح قتل' چوری' زنا اور غصب کی حرمت بھی ان کو تسلیم تھی' مگر وہ ان کا ارتکاب بھی کھلم کھلا کرتے تھے۔

ان کے اشعار اور دیگر شواہد ثابت کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ قرآن کے سوالات کے جوابات میں وہ اقرار کرتے تھے کہ: زمین و آسمان کو اللہ نے پیدا کیا ہے' بڑے بڑے کاموں کی تدبیر وہی کرتا ہے (مثلاً وہی پانی برساتا ہے' اور زمین سے فصلیں اگاتا ہے) وہ رسول بھیجنے اور اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے' حوادث کے واقع ہونے سے پیش تر ان کو مقدر کرتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

مگر انھوں نے اس ایمان میں متعدد گمراہیوں کی آمیزش کر لی تھی: مثلاً شرک' تشبیہ' تحریف' قیامت کا انکار' اور رسالت آنحضرتؐ کا انکار' باہمی ظلم' فحش اعمال' غلط رسوم کی پابندی وغیرہ۔

وہ کارِ تخلیق میں اور بڑے امور کی تدبیر میں کسی کو بھی اللہ کا شریک نہیں مانتے تھے' نہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کوئی بھی اللہ کے ارادے اور قدرت سے بالاتر ہو سکتا ہے۔ ان کا شرک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ' دنیاوی بادشاہوں کی طرح' بعض جزئی معاملات کی تدبیر خود نہیں کرتا' بلکہ اس نے بعض

مخلوقات کو مختار اور متصرف بنا دیا ہے' بعض بندوں کو الوہیت کی خلعت دی ہے' ان کی خوشنودی بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کے لیے ضروری ہے' اور ان کی سفارش اس کے ہاں کارگر۔ انھی خاص بندوں کے انھوں نے بت بنا لیے تھے۔ ان کی تشبیہ یہ تھی کہ اللہ کی صفات کو انسانی صفات کی مانند سمجھتے تھے۔ ان کی تحریف یہ تھی کہ بتوں کے علاوہ' انھوں نے بے شمار بدعات کو ملت ابراہیمی کا جز بنا لیا تھا۔ قیامت کو وہ بعید از امکان تصور کرتے تھے۔ رسالت سے وہ واقف تھے' لیکن رسول اور اللہ کے درمیان مشابہت ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ اس قسم کے فضول شبہات پیش کرتے تھے کہ فرشتے کو رسول کیوں نہیں بنایا' یہ کیسا رسول ہے جو کھانے پینے کا' اور بازاروں میں روزی کمانے کا محتاج ہے۔

مشرکین سے مباحثہ و استدلال : کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اہل عرب میں مبعوث کیا اور ملت ابراہیمی کے قیام پر مامور کیا' اس لیے قرآن مجید ان مشرکین کے ساتھ مخاصمہ میں دین ابراہیمی کی ان بچی کھچی تعلیمات سے استدلال کرتا ہے جنھیں وہ تسلیم کرتے تھے' تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔ [قرآن کا عام اسلوب یہی ہے]۔

۱۔ وہ مخاطبین سے ان کے عقائد و اعمال پر دلیل کا مطالبہ کرتا ہے' اور ان کے اس دعوے کا غلط ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آباو اجداد کے طریقے پر چل رہے ہیں۔

۲۔ ثابت کرتا ہے کہ جن کو وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں' وہ کسی طرح بھی اس کے مثل یا اس کے برابر نہیں' اور اس انتہائی تعظیم کے ہرگز مستحق نہیں جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

۳۔ وہ واضح کرتا ہے کہ تمام انبیا کا توحید خالص پر اجماع رہا ہے: (لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ)

۴۔ باطل معبودوں کا ہر قسم کی قدرت اور صفت سے محروم ہونا' آشکار کرتا ہے۔

۵۔ خدا میں انسانی صفات کا ہونا' اس کی خدائیت اور اس کی ذات و صفات کے منافی ہونا واضح کرتا ہے۔

۶۔ جس تحریف کی سند ائمہ دین سے نہیں ملتی' اس لیے یہ تمام افترا اور بدعت ہیں۔

۷۔ اسی طرح آخرت اور رسالت کے بارے میں عقلی اور خطابی مباحثہ کرتا ہے۔

ان مضامین کو وہ متعدد سورتوں میں' مختلف طریقوں اور اسالیب سے' اور بڑی بلیغ تاکیدات کے ساتھ ثابت کرتا ہے' اور ان کی بار بار تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

۲۔ یہود اور ان سے مخاصمہ

یہودی توریت کو کتاب الٰہی مانتے تھے۔ ان کی گمراہی یہ تھی: انھوں نے توریت کی آیات میں تحریف کی تھی' لفظی بھی اور معنوی بھی۔ بعض آیات و احکام کو چھپا دیا تھا۔ بعض نئے احکام کو کتاب

الٰہی کا حصہ بنا دیا تھا۔ احکام پر عمل میں بہت ٹال مٹول کرتے تھے۔ مذہبی تعصب میں بڑے سخت تھے۔ آنحضرتؐ کی' نیز خدا کی' شان میں بے ادبی اور طعن کرتے تھے۔ بخل و حرص میں مبتلا تھے۔ فقیہ کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہود لفظی تحریف تورات کے ترجمے میں کرتے تھے' یہی رائے ابن عباسؓ کی بھی ہے۔ تحریف معنوی یہ تھی کہ راہ راست سے ہٹ کر' سینہ زوری کر کے' آیت سے اس کے اصل معنی کے خلاف معنی نکالتے تھے۔

تحریف کی ایک مثال: تورات میں یہودیوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے' (جیسے انجیل میں عیسائیوں کو اور قرآن میں مسلمانوں کو دی گئی ہے)۔ یہ بشارت ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے' (جس کے حامل اس وقت یہودی تھے)۔ ان الفاظ سے ہرگز کوئی خاص فرقہ مراد نہیں ہے۔ مگر یہودیوں نے یہ سمجھ لیا کہ جس پر یہودی کا لیبل لگا ہو' وہی جنت میں جائے گا۔

تحریف کی دوسری مثال: ہر مذہب میں شرعی احکام اس زمانے کے مصالح کے مطابق دیے گئے' اور مخاطب قوم کی عادات کی موافقت کی گئی' اور انھی احکام کو ہمیشہ مرجع بنانے اور ان پر عمل کرنے کی سخت تاکید کی گئی۔ لیکن منشا یہ تھا کہ فقط اس زمانے میں حق ان احکام پر منحصر تھا' اور جب تک کوئی دوسرا نبی نہ آئے' انھی احکام پر اعتماد کیا جائے گا' نہ کہ دوام حقیقی۔ لیکن یہودیوں نے اس کا مطلب یہ قرار دے لیا کہ دین یہودیت کے احکام کبھی منسوخ نہ ہوں گے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی ملت کے احکام کی پیروی کی تاکید کی جاتی ہے' تو اس سے اصل مراد ایمان اور عمل صالح کی پابندی کی تاکید ہے' نہ کہ ہر صورت میں اس ملت کے احکام کی۔

کتمان آیات کی مثالیں' زنا کی سزا اور بشارت نبویؐ کی آیات کا چھپانا ہے۔

افترا کا ایک سبب تو تعمق اور تشدد تھا' (یعنی بال کی کھال نکالنا' اور جزئیات میں شدت برتنا)۔ دوسرا سبب استحسان تھا' یعنی' شارع کی نص کے بغیر' بعض احکام کا صرف اس لیے استنباط کرنا کہ ان میں کوئی مصلحت ہے' پھر ان بیہودہ استنباطات کو رواج دینا' اور جب ان کی پیروی ہونے لگے تو انھیں کتاب الٰہی کا مقام دے دینا۔ اسی طرح اپنے سلف کے اجماع کو دلیل قطعی خیال کرنا۔

اگر آج یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو ان علمائے سو کو دیکھو جو دنیا کے طالب اور اپنے سلف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں' تعمق' تشدد اور احسان کو سند' اور شارع معصومؐ کے کلام کو چھوڑ کر موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو اپنا راہ نما بنا بیٹھے ہیں۔

آنحضرتؐ کی رسالت سے انکار کا ایک سبب تو یہود کا حسد تھا' کہ آپؐ بنی اسماعیل میں سے تھے۔ دوسرا سبب وہ اختلاف تھا جو آپؐ کی شریعت اور یہودیت کے درمیان پایا جاتا تھا۔

شرائع کے اختلاف کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔ نبوت کا کام انسانوں کی اصلاح اور ان کی

عادات و عبادات کی درستی ہے' نہ کہ نیکی اور بدی کے نئے اصول ایجاد کرنا۔ ہر قوم اپنی عبادات معاشرت اور سیاست و معیشت میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے۔ اس قوم میں اگر نبی آئے' تو وہ ان کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کی جگہ نئی عادات قائم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ موجود عادات کی چھانٹ پھٹک کرتا ہے۔ جو قاعدے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوں' انھیں باقی رکھتا ہے۔ جو خلاف ہوں' ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کرتا ہے۔ تذکیر بالاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی' اسی اسلوب پر' ان علوم کے ذریعہ ہوتی ہے جو اس قوم کے ہاں مشہور ہوں' اور جس سے وہ آشنا اور مانوس ہوں۔

اس نکتے کی وجہ سے انبیا کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ اختلاف اسی انداز کا ہے' جیسے دو مختلف مریضوں کے علاج میں ایک طبیب کے علاج میں اختلاف ہوتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں کے علاج میں ایک ہوتی ہے' یعنی طبیعت کی درستی اور بیماری کا ازالہ' لیکن اس کے نسخے مریض کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ ہر ملک میں' وہاں کے باشندوں کی مناسبت سے' علیحدہ دوا اور غذا تجویز کرتا ہے' اور اس میں موسم کا لحاظ بھی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی حکیم حقیقی ہے۔ ہر قوم اور اس کی عادات' اور ہر زمانہ میں جانی پہچانی اور مانی ہوئی چیزوں کی مناسبت سے اس کی شریعت مختلف ہوئی۔

قرآن نے ایک ایک کر کے' قوی دلائل کے ساتھ' یہود کی ساری گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے۔

۳ - عیسائی اور ان سے مخاصمہ

عیسائی بھی توحید' حضرت عیسیٰؑ اور انجیل کے ایمان کے دعوے دار تھے' مگر ان کی اصل گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا' جو باہم مختلف بھی ہیں اور ہم جنس بھی۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام' خدا بھی ہیں' خدا کے بیٹے بھی ہیں' بشر بھی ہیں' اس لیے ان کی نسبت بشری اور الوہی دونوں احکام جاری ہوتے ہیں۔ نیز ان کی گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مقتول ہو گئے تھے۔ ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ فارقلیط موعود سے وہ عیسیٰؑ مراد ہیں' جو قتل ہو جانے کے بعد حواریوں کے پاس آئے۔ قرآن مجید نے عیسائیوں کی تمام گمراہیوں کو بھی محکم دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔

٤ - منافقین اور ان کے ساتھ مخاصمہ

منافقین دو قسم کے تھے: (۱) جو زبان سے کلمہ پڑھتے تھے' مگر ان کے دل میں کفر اور جحود جمے ہوئے تھے۔ انھی کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ "وہ جہنم کے آخری طبقے میں جگہ پائیں گے"۔
(۲) جن کا ایمان کمزور تھا۔

بعض اپنی قوم کے تابع تھے: قوم مسلمان ہو گئی تو یہ بھی مسلمان ہو گئے' قوم کافر رہتی تو یہ بھی

کافر رہتے ۔ بعض کے دل ادنی دنیوی لذتوں سے اس طرح بھر گئے تھے کہ خدا اور رسولؐ کی محبت کی جگہ باقی نہ رہی تھی ۔ بعض کے دلوں پر لالچ 'حسد 'کینہ وغیرہ نے اس طرح قبضہ کر لیا تھا کہ مناجات کی حلاوت اور عبادات کی برکت کے لیے جگہ نہ چھوڑی تھی ۔ بعض کو حصول معاش نے ایسا مشغول کر دیا تھا کہ آخرت کو یاد رکھنے اور اس کی فکر کرنے کی فرصت ہی نہ دیتی تھی ۔

بعض کے دلوں میں حضرت پیغمبرؐ کے بارے میں واہیات بدگمانیاں اور رکیک شبہات پیدا ہوتے رہتے تھے 'اگرچہ اس حد تک نہیں کہ وہ اسلام کا قلادہ گردن سے اتار دیں ۔ ان بدگمانیوں اور شبہات کے دو اسباب تھے: ایک 'حضورؐ سے ان افعال کا صدور جو بشریت کا خاصہ تھے 'اور اس لیے وہ حضورؐ کو ایک عام انسان سے ممتاز نہ کر پاتے تھے)۔ دوسرے 'اطراف کے ممالک میں اسلام کا غلبہ بظاہر اسی انداز میں ہو رہا تھا جس انداز میں بادشاہوں کا ہوتا ہے '(اس لیے وہ حضورؐ اور بادشاہ کے درمیان امتیاز نہ کر رہے تھے)۔ بعض کے دلوں میں اپنے کافر قبیلے اور رشتہ داروں کی محبت بدستور موجود تھی ' اور وہ ان کی مدد اور تقویت کے لیے ایسے کام بھی کر بیٹھتے تھے جو اہل اسلام کے خلاف ہوتے تھے اور جن سے اسلام کمزور ہوتا تھا ۔

یہ سب عمل اور اخلاق کا نفاق ہے ۔ جہاں تک دل کے نفاق کا تعلق ہے 'تو رسول اللہؐ کے بعد اس کا علم نہیں ہو سکتا 'کیونکہ اس کا تعلق علم غیب سے ہے ' اور دل کے حالات کوئی نہیں جان سکتا ۔ رہی دوسری قسم 'یعنی عملی و اخلاقی نفاق ' تو وہ بہت عام ہے اور آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے ۔

اگر تم کو منافقین کا نمونہ دیکھنا ہو تو حکمرانوں کو دیکھ لو' جو اپنی اور اپنے آقاؤں کی مرضی کو شارعؑ کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں ۔ اسی طرح وہ معقولیین (Rationalists) اور آزاد منش (Liberals) بھی 'جن کے دلوں میں دین کے بارے میں بے شمار شکوک و شبہات ہیں اور جو آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں 'منافقین کا ایک نمونہ ہیں ۔

حرفِ آخر

مختصراً' اصل اصول یہ ہے کہ جب قرآن پڑھو تو یہ ہرگز مت سمجھو کہ خطاب ایسے لوگوں سے ہے جو کسی زمانے میں ہوا کرتے تھے ' اور اب گزر گئے ۔ نہیں 'بلکہ بحکم حدیث ——— لتتبعن سنن من قبلکم ——— زمانہ نبویؐ میں کوئی بلا نہ تھی جس کا نمونہ آج موجود نہ ہو ۔ قرآن کا مقصود اصلی (عقیدہ و عمل کی گم راہیوں کے بارے میں) کلیات کا بیان ہے 'نہ کہ پرانی حکایات کا دہرانا ۔ (جاری)

(تلخیص و ترتیب : خ ۔م)

ہم سب کو ملنے والا ہے ' ان شاء اللہ

آیئے اس کے لیے تیاری کریں !

ان بد نصیبوں میں نہ ہو جائیں جن کے حصے میں
فاقے اور رت جگے آتے ہیں۔

ان خوش نصیبوں میں ہو جائیں جن کے حصے میں
رحمت 'مغفرت اور نجات آتی ہے۔

کس طرح؟

— خوب انفاق کریں 'کیا معلوم پھر موقع ملے ' نہ ملے۔
رسول کی مثال سامنے رہے 'تیز ہوا کی طرح!

— خوب نمازیں پڑھیں ' دل لگا کر ' آخری نماز جان کر
دن اور رات کے اوقات مقرر کر کے

— خوب قرآن کی تلاوت کریں۔یہ مہینہ قرآن ہی کی وجہ سے
عظیم ہے سمجھیں 'کہ آپ کا رب آپ سے کیا چاہتا ہے

— دعوت الی اللہ میں اپنے آپ کو کھپا دیں 'کہ یہی اسوہ حسنہ اور اسوہ رسول
علیہ الصلوۃ والسلام ہے

— خوب دعائیں کریں ' اپنے لیے 'ملت اسلامیہ کے لیے ' پاکستان کے
لیے تحریک اسلامی کے لیے 'مجاہدین کے لیے۔یہ دعائیں قبول کروانے کا
مہینہ ہے!

یوں اپنے رب سے قریب ہو جائیں۔ اس کے آگے ہاتھ پھیلا دیں۔ جھولیاں بھر
لیں۔ اس کی جنت پالیں۔ اور کیا چاہیے!

(بندۂ خدا)

دعائے رمضان

رمضان کا مبارک مہینہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خوب خوب مانگنے کا مہینہ ہے' اس کے آگے رونے اور گڑگڑانے کا مہینہ ہے' اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دینے کا مہینہ ہے۔ زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی کام اور کوئی ضرورت دعا کی حاجت سے بے نیاز نہیں' اور ہر دن اور ہر رات ایسے لمحات آتے ہیں جو خصوصی لمحات ہوتے ہیں' خاص طور پر رات کے آخری حصہ میں اور سحر کے وقت' لیکن رمضان تو موسم بہار ہے' اس کے شب و روز کا ہر لمحہ خصوصی ہے' یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہر سحری کرنے والے کو رات کے آخری حصہ میں جاگنا نصیب ہوتا ہے۔

دعا کیا ہے؟ دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی پیاس اور حاجت کی صدا' جو زبان پر لفظ اور آنکھ میں آنسو بن جاتی ہے۔ دل سے نکلتی ہے' دل میں اترتی ہے۔ زبان سے نکلتی ہے' دل کی صدا بن جاتی ہے۔ تعلیم و تاثیر اور جذب و شوق کے حصول کا کوئی نسخہ دعا سے زیادہ موثر نہیں۔

دعا کے لیے ان الفاظ سے بہتر الفاظ کون سے ہو سکتے ہیں جن کی تعلیم اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ان دعاؤں میں اتنی حرارت اور اتنا گداز' اتنا دفور شوق اور اتنی محتاجی اور عاجزی' اتنی الحاح و زاری ہے کہ دل پگھل کر ایک نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ ان میں ایسے مطالب و مدعا زندگی کا مدعا بن جاتے ہیں کہ ان سے بہتر مطلب و مدعا دنیا میں ہمارا ہو ہی نہیں سکتا۔

ان دعاؤں کے بہت سے مجموعے ہیں' یہ حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہیں۔ رمضان المبارک کے لیے ہم چند ایسی دعائیں آپ کی نذر کر رہے ہیں جن کو ہم نے دل کی زندگی اور زندگی کے تن کے لیے بے انتہا مفید پایا ہے۔ ان کی ترتیب میں بھی حکمت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

(۱)

اِلٰهِي عَبْدُكَ بِبَابِكَ فَقِيْرُكَ بِبَابِكَ مِسْكِيْنُكَ بِبَابِكَ

میرے معبود' تیرا بندہ تیرے در پر ہے' تیرا فقیر تیرے در پر ہے' تیرا مسکین تیرے در پر ہے'

سَائِلُكَ بِبَابِكَ ذَلِيلُكَ بِبَابِكَ ضَعِيفُكَ بِبَابِكَ
تیرا سائل تیرے در پر ہے ' تیرا ذلیل بندہ تیرے در پر ہے ' تیرا کمزور و ناتواں بندہ تیرے در پر ہے '

ضَيْفُكَ بِبَابِكَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِينَ
تیرا مہمان تیرے در پر ہے ' اے رب العالمین !

(۲)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ
اے اللہ ' تو نے کہا ہے ' اور تیرا کہنا حق ہے ' مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاِجَابَةُ (کنز العمال ' عن ابن عباس رض و ابن عمر رض)
اے اللہ ' یہ ہے دعا ' اب قبول کرنا تجھ پر ہے۔

(۳)

اِرْحَمْنِي مَوْلَائِي مَوْلَائِي اَنْتَ الْغَفَّارُ وَاَنَا الْمُسِيئُ
رحم کر مجھ پر ' میرے مولا ' میرے آقا ' تو بے حد بخشنے والا ہے اور میں بدکار '

هَلْ يَرْحَمُ الْمُسِيئَ اِلَّا الْغَفَّارُ مَوْلَائِي مَوْلَائِي اَنْتَ الْمَالِكُ
سوائے بخشنے والے کے اور کون ہے جو مجرم پر رحم کرے گا۔ میرے مولا ' میرے آقا ' تو مالک ہے

وَاَنَا الْمَمْلُوكُ وَهَلْ يَرْحَمُ الْمَمْلُوكَ اِلَّا الْمَالِكُ مَوْلَائِي
اور میں تیرا مملوک ' سوائے مالک کے اور کون ہے جو مملوک پر رحم کرے گا۔ میرے مولا '

مَوْلَائِي اَنْتَ الرَّبُّ وَاَنَا الْعَبْدُ وَهَلْ يَرْحَمُ الْعَبْدَ اِلَّا الرَّبُّ،
میرے آقا ' تو رب ہے اور میں تیرا بندہ ' سوائے رب کے اور کون ہے جو بندے پر رحم کرے گا۔

مَولائی مَولائی اَنتَ الرازقُ وَانا المَرزُوقُ وَھَلُ یرحم
میرے مولا ' میرے آقا ' تو رازق ہے اور میں مرزوق ' سوائے رازق کے اور کون ہے

المرزوق الا الرازق مَولائی مَولائی انتَ الکَریمُ وَاَنَا اللَّئِیمُ
جو مرزوق پر رحم کرے گا۔ میرے مولا ' میرے آقا ' توکریم ہے اور میں لئیم

وَھَل یرحَمُ اللَئیمَ اِلاَّ الکَرِیمُ مَولائی مَولائی
سوائے کریم کے اور کون ہے جو لئیم پر رحم کرے گا۔ میرے مولا ' میرے آقا '

اَنتَ العَزِیزُ وَاَنَا الذَّلِیلُ وَھَلُ یَرحم اَلذَلیلَ اِلاَّ العَزِیزُ
تو عزت والا ہے میں ذلیل ' سوائے عزت والے کے اور کون ہے جو ذلیل پر رحم کرے گا

مَولائی مَولائی اَنتَ القَوِیُّ وَاَنَا الضَّعِیفُ وَھَلُ یَرحَمُ
میرے مولا ' میرے آقا ' تو قوت والا ہے اور میں کمزور و ناتواں ' سوائے قوت والے کے اور

الضَّعِیفَ اِلاَّ القَوِیُّ مَولائی مَولائی
کون ہے جو کمزور پر رحم کرے گا۔ میرے مولا میرے آقا

اَنتَ الغَفُورُ وَاَنَا المُذنِبُ وَھَل یَرحَمُ المُذنِبَ اِلاَّ الغَفُورُ
تو بخشنے والا ہے اور میں گناہ گار سوائے بخشنے والے کے اور کون ہے جو خطاکار پر رحم کرے گا۔

(۴)

اَللّٰھُمّ اِنَّکَ تَسمَعُ کَلامِی وَتَرَی مَکَانِی وَتَعلَمُ سِرِّی
میرے اللہ ' تو میری بات کو سنتا ہے اور تو میرے مقام اور حالت کو دیکھتا ہے اور میرے چھپے

وَعَلانِیَتِی لاَیَخفَی علیكَ شَئیٌ مِنُ اَمرِیْ اَنَا البَائِسُ
اور کھلے سب کو جانتا ہے ' تجھ سے میری کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ۔ میں مصیبت زدہ ہوں '

الفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ
محتاج ہوں' فریادی ہوں' پناہ کا طلب گار ہوں' ڈرنے والا ہوں' ہراساں ہوں'

الْمُقِرُّ الْمُعتَرِفُ بِذَنْبِي اِلَيكَ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِين
اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں' اعتراف کرتا ہوں۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں' جیسے بے کس مانگتا ہے' اور

وَ ابْتَهِلُ اِلَيكَ اِبتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيل وَ اَدْعُوكَ دُعَاءَ
میں تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے' اور میں تجھ کو پکارتا ہوں

الخَائِفِ الضَّرِير دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ
جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ پکارتا ہے' ایسے شخص کی پکار جس کی گردن تیرے

رَقَبَتُهُ وَفَاضَت لَكَ عَبرَتُهُ وَ ذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ
سامنے جھکی ہوئی ہے' اور جس کے آنسو تیرے لیے بہہ رہے ہیں' جس کا تن بدن تیرے آگے بچھا ہوا ہے

وَ رَغِمَ لَكَ اَنفُهُ اَللّٰهُمَّ لاَ تَجعَلنِي بِدُعَائِكَ
اور جو اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہے۔ اے اللہ تو ایسا نہ بنا کہ تجھ سے مانگوں' اور

شقيًا وَ كُنْ لِي رَوُفًا رَحِيمًا يا
پھر بھی محروم رہوں' تو میرے حق میں بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہو جا' اے

خَيرَ الْمَسئُولِينَ خَيرَ الْمُعطِيِنَ
سب مانگے جانے والوں سے بہتر' اے سب دینے والوں سے بہتر۔

(کنز العمال، طبرانی عن ابن عباس و عبداللہ بن جعفر)

(۵)

اَللّٰهُمَّ اَسئَلُكَ بِعِزِّكَ وَذُلِّيَ اِلاَّ
اے اللہ' میں تیری عزت کے آگے اپنی ذلت کے واسطے سے تجھ سے مانگتا ہوں۔ اگر

رَحِمْتَنِي وَ اَسئلُكَ بِقُوَّتِكَ وَضَعْفِي
تو نے مجھ پر رحم نہ کیا تو.... میں تیری قوت کے آگے اپنی ناتوانی کے واسطے سے تجھ سے مانگتا ہوں'

وَبِغَنَائِكَ عَنِّي وَفقرِى اِلَيكَ
اور میں تیری مجھ سے بے نیازی اور تیرے آگے اپنی محتاجی کے واسطے سے تجھ سے مانگتا ہوں۔

هٰذهٖ نَاصِيَتِي الكَاذِبَةُ الخَاطِئَةُ بَيْنَ يَدَيكَ عَبِيدُكَ سِوَاىَ كَثِيرٌ وَلَيسَ
یہ رہی میری جھوٹی اور خطا کار پیشانی' جو تیرے سامنے پڑی ہے' میرے علاوہ تیرے بندے بے شمار ہیں' لیکن

لِي سَيِّدٌ سِوَاكَ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنجاءَ اِلاَّ اِلَيكَ
تیرے سوا میرا آقا کوئی نہیں۔ نہ تیرے سوا تجھ سے میری کوئی جائے پناہ' نہ جائے نجات'

(ابن قیم مدارج السالکین)

(۶)

اَللّٰهُمَّ مَغفِرَتُكَ اَوسَعُ مِن ذُنُوبِى وَرَحمَتُكَ
میرے اللہ' تیری مغفرت میرے تمام گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے' اور مجھے تیری رحمت

اَرْجٰى عِندِى مِن عَمَلِي
کا آسرا ہے نہ کہ اپنے عمل کا۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فریاد کی: ہائے میرے گناہ' ہائے میرے گناہ! فرمایا کہ یہ کلمات کہو۔ اس نے کہے' فرمایا پھر کہو' اس نے دوبارہ کہے۔ فرمایا پھر کہو' اس نے تیسری بار کہے۔ فرمایا کھڑے ہو جاؤ' تمہارے گناہ معاف کر دیے گئے (حاکم عن جابر بن عبداللہ)

(۷)

اَللّٰهُمَّ اَنتَ رَبِّى لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنتَ خَلَقتَنِي وَ اَنَا عَبدُكَ
میرے اللہ' تو تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں

وَ اَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ

جتنا بس میں ہے تجھ سے عہد و پیمان پورا کرتا ہوں' تیری پناہ چاہتا ہوں جو کچھ کیا ہے اس کے شر سے۔

اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ

اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف ہے 'اور ساتھ ہی اپنے گناہوں کا اقرار مجھے بخش دے 'تیرے

لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (بخاری عن شداد بن اوس)

سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔

اس کو حضورؐ نے سید الاستغفار کہا ہے۔ جو صبح یا شام مانگے گا' اور مرجائے گا' وہ جنت میں جائے گا۔ مگر اس کے علاوہ قرآن مجید اور حدیث میں استغفار کے لیے متعدد کلمات کی تعلیم دی گئی ہے' جو بہ آسانی سیکھے جا سکتے ہیں۔

(۸)

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ

میرے اللہ' پناہ چاہتا ہوں' میں تیری ناراضی سے تیری رضا میں ' اور تیری معافی میں

عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ

تیرے عذاب سے ۔ اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں تیری تعریف کرنا میرے بس میں نہیں '

اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (مسلم عن عائشہ)

تو بس ایسا ہے جیسی تو نے آپ اپنی تعریف کی ہے۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے رات کو حضورؐ کو دیکھا' آپ رکوع اور سجدے میں یہی دعا پڑھ رہے تھے۔

(۹)

رَبِّ كَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَهَا عَلَیَّ قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِیْ وَ كَمْ مِنْ

میرے رب کتنی نعمتیں ہیں جو تو نے مجھے دیں 'مگر ان پر میں نے تیرا شکر کم ہی ادا کیا۔ اور کتنی

بَلِيَّةٍ ابْتَلَيْتَنِي بِهَا قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا صَبْرِي فَيَامَنْ

مصیبتیں ہیں جن میں تو نے مجھے ڈالا ' مگر ان پر میں نے تیرے لیے کم ہی کچھ صبر کیا۔ پس اے وہ کہ

قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهِ شُكْرِي فَلَمْ يَحْرِمْنِي وَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ

جس کی نعمتوں پر میں نے شکر کم ہی ہوا اور پھر بھی اس نے مجھے محروم نہ کیا ' اور اے وہ کہ جس کی

بَلِيَّةِ صَبْرِي فَلَمْ يَخْذُلْنِي. وَيَامَنْ رَآنِي

مصیبتوں پر میں نے کم ہی صبر کیا اور پھر بھی اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا ' اور اے وہ کہ

عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِي (کنز العمال، دیلمی، عن علیؓ)

مجھے گناہ کرتے دیکھتا رہا اور پھر بھی اس نے مجھے رسوا نہ کیا۔

(۱۰)

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ فِيْ رِضَاكَ ضُعْفِيْ

اے اللہ میں کمزور ہوں ' پس اپنی رضا جوئی میں میرا ضعف ' اپنی قوت سے دور کر دے

وَخُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِيْ وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِيْ

اور کشاں کشاں مجھے خیر کی طرف لے جا ' اور اسلام کو میری پسند کا منتہا بنا دے۔

وَاِنِّيْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِيْ وَاِنَّا فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِيْ

میں ذلیل ہوں ' تو مجھے عزت دے اور میں محتاج ہوں ' تو مجھے رزق دے۔

(۱۱)

اَللّٰهُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِيَنَا وَجَوَارِحَنَا بِيَدِكَ

اے اللہ ' ہمارے دل ' اور ہماری مہار ' اور ہمارے اعضا ' سب تیری مٹھی میں ہیں '

وَ لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْهَا شَيْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذَالِكَ
اور تو نے ہمیں ان میں سے کسی چیز کا بھی مالک نہیں بنایا' پس' جب تو نے ہمارے

بِنَا فَكُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيلِ
ساتھ یہ معاملہ کیا ہے' تو بس تو ہی ہمارا ولی بن جا اور ہمیں سیدھے راستے کی طرف لے جا۔

(ترمذی' عن ابی ھریرہؓ)

(۱۲)

يَا رَحْمٰنُ قَلْبِي بَيْنَ اِصْبَعَيْكَ الْكَرِيمَتَيْنِ تُقَلِّبُهُ كَيْفَ
اے رحمٰن' میرا دل تیری دو مہربان انگلیوں کے درمیان ہے' تو اسے جس طرح چاہتا ہے

تَشَاءُ فَثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ وَاجْعَلْ قَلْبِي يَطْمَئِنُّ
الٹا پلٹتا ہے۔ پس میرے دل کو اپنے دین پر جما دے' اور میرے دل کو ایسا بنا دے کہ تیری یاد سے

بِذِكْرِكَ وَانْزِلِ السَّكِينَةَ فِي قَلْبِي وَاَلْزِمْنِي كَلِمَةَ
اطمینان پائے۔ اور میرے دل میں سکینت اتار دے۔ اور مجھے تقویٰ کی بات کا پابند رکھ'

التَّقْوٰى وَاجْعَلْنِي اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا
اور مجھے اس کا زیادہ حق دار اور اس کا اہل بنا۔

(۱۳)

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً
اے اللہ' میں تجھ سے ایسا نفس مانگتا ہوں جو تجھ پر مطمئن رہے

تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ تَرْضٰى بِقَضَائِكَ تَقْنَعُ لِعَطَائِكَ
تیرے ساتھ ملاقات پر یقین رکھے' تیرے ہر فیصلے پر راضی رہے اور تو جو کچھ بھی عطا

کرے اس پر قانع رہے۔

(کنز العمال ، عن ابی الدرداؓ وعلیؓ)

(۱۴)

اَللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِیَ تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ

اے اللہ ، میرے نفس کو اس کے مناسب حال تقویٰ عطا کر ، اور اسے پاک کر دے ، تو ہی ہے

خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا

اسے سب سے بہتر پاک کرنے والا ، تو ہی ہے اس کا مالک اور آقا۔

(مسلم ، عن زید بن ارقمؓ)

(۱۵)

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ وَاجْعَلْ خَشْیَتَکَ

اے اللہ ، اپنی محبت کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب بنا دے ، اور اپنے ڈر کو تمام چیزوں کے ڈر

اَخْوَفَ الْاَشْیَاءِ عِنْدِی وَاقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْیَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ

سے زیادہ کر دے ، اور مجھے اپنے ساتھ ملاقات کا ایسا شوق دے کہ میری دنیا کی محتاجیاں ختم ہو جائیں ،

وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْیُنَ اَھْلِ الدُّنْیَا مِنْ دُنْیَاھُمْ فَاَقْرِرْ عَیْنِیْ بِعِبَادَتِکَ

اور جہاں تو نے دنیا والوں کی لذت ان کی دنیا میں رکھی ہے ، میری لذت اپنی عبادت میں رکھ دے۔

(کنز العمال ، عن ابی بن مالکؓ)

(۱۶)

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُحِبُّکَ بِقَلْبِیْ کُلِّہٖ وَاُرْضِیکَ

اے اللہ ، مجھے ایسا بنا دے کہ اپنے سارے دل کے ساتھ تجھ سے محبت کروں ، اور اپنی ساری کوششیں

بِجُهْدِي كُلِّهِ
تجھے راضی کرنے میں لگا دوں

(۱۷)

اَللّٰهُمّ اجْعَلْنِي اَخْشَاكَ كَاَنِّيْ اَرَاكَ يَوْمَ اَلْقَاكَ (۱۷)
اے اللہ' مجھے ایسا بنا دے کہ میں تجھ سے اس طرح ڈروں میں تجھے تیرے ساتھ ملاقات کے

حَتّٰى اَلْقَاكَ
وقت دیکھ رہا ہوں' یہاں تک کہ تجھ سے آملوں

وَاسْعِدْنِي بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِي بِمَعْصِيَتِكَ
اور مجھے اپنے تقویٰ سے سعادت بخش' اور مجھے بدبخت نہ بنا کہ تیری نافرمانی کروں۔

(کنز العمال' عن ابی ہریرہ ؓ)

(۱۸)

رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ ذَكَّارًا لَكَ شَكَّارًا لَكَ
میرے رب' مجھے ایسا بنا دے' کہ میں تجھے بہت یاد کیا کروں' تیرا بہت شکر کیا کروں' تجھ سے

رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُطِيعًا لَكَ
بہت ڈرا کروں' تیری بہت فرماں برداری کیا کروں' تیرا بہت مطیع رہوں' تجھ

مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيبًا
سے سکون پایا کروں' اور ہائے ہائے کرتا ہوا تیری ہی طرف لوٹ کر آیا کروں۔

(۱۹)

اَللّٰھُمَّ اَلرِّضَا بِالْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ
اے اللہ ' میں تجھ سے مانگتا ہوں ' کہ تیرے ہر حکم پر راضی رہوں ' موت کے بعد زندگی کی لذت نصیب ہو '

وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيمِ وَالشَّوقَ اِلٰى لِقَاءِكَ
تیرے کریم چہرے کو دیکھنے کی لذت ملے ' تیری ملاقات کا مشتاق رہوں

(۲۰)

اَللّٰھُمَّ فَخُذْ بِيَدِى فِي الْمَضَائِقِ وَاكْشِفْ لِي وُجُوهَ الْحَقَائِقِ
اے اللہ ' مشکلات میں میرے ہاتھ پکڑے ' اور میرے سامنے ہر معاملے میں حقائق کے سارے پہلو

کھول دے '

وَوَفِّقْنِي لِمَا تُحِبُّ
اور جس چیز سے تو محبت کرتا ہے ' اس کی مجھے توفیق دے ۔

(۲۱)

اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ
میرے اللہ ' مانگنے والوں کا تجھ پر جو حق ہے اس کے واسطے سے مانگتا ہوں اور تیری طرف

مَمْشَائِي هٰذَا اِلَيْكَ فَاِنِّي لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَلَا اَشَرًا
میرے اس چلنے کا جو حق ہے اس کے واسطے سے ' میں اکڑتا اتراتا نہیں نکلا ہوں '

وَلَا رِئَاءً وَلَا سُمْعَةً وَاِنَّمَا خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ
نہ دکھاوے کے لیے، میں صرف تیرے غضب سے بچنے کے لیے اور تیری رضا کی تلاش میں نکلا ہوں

وَاَسْئَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِي ذُنُوبِي
میرا سوال ہے کہ مجھے آگ سے بچادے اور میرے گناہ معاف کر دے

اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ
بے شک تیرے علاوہ کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا

(ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، شرح سفر السعادت)

ہر نماز کے وقت مسجد جاتے ہوئے، خصوصاً اگر سحر کے وقت دعائیں مانگتا ہوں، تو فجر کے وقت، خاص طور پر رمضان میں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز کے لیے نکلتا ہے، اور یہ دعا پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے، جو نماز سے فراغت تک اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔

(مرتبہ: خ-م)

غرور اور مغالطہ

تورا کینہ قاضی

انسان کا دل ایک قلعہ کی مانند ہے۔ اس قلعے کی ایک چہار دیواری ہے' اس چہار دیواری میں روزن اور دروازے ہیں۔ دل کا مسکن عقل ہے' جس کی سلامتی پر انسان کی سلامتی منحصر ہے۔ فرشتے بھی اس میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس قلعے کی ایک پناہ گاہ ہے۔ اس میں خواہشات بستی ہیں' اور شیاطین آمدورفت رکھتے ہیں۔ قلعے والوں اور پناہ گاہ والوں میں لڑائی رہتی ہے۔ شیاطین قلعے کے گرداگرد گھومتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پہرے دار غافل ہو جائے یا کسی روزن سے ہٹ جائے تو قلعے میں گھس پڑیں۔ لہٰذا پہرے والوں کو چاہیے کہ ان کو قلعہ کے جن جن روزنوں اور دروازوں پر متعین کیا گیا ہے ان کی حفاظت کی طرف سے لحظہ بھر کے لیے بھی غافل نہ ہوں۔ کیونکہ دشمن تاک میں لگا ہوا ہے' موقعہ کا منتظر ہے۔ کسی نے حسن بصری سے پوچھا تھا: شیطان کبھی سوتا بھی ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا تھا: اگر سوتا تو ہم لوگوں کو بہت راحت ملتی۔ پہرے داروں کی غفلت سے شیطان دل کے قلعے میں داخل ہو جاتا ہے۔ کبھی کوئی پہرے دار اپنی غفلت سے خواہش نفس کی موافقت کر کے خوش دلی سے لشکر شیاطین میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ شیطان کن راستوں سے دل کے قلعے میں داخل ہوتا ہے۔ وہ آدمی کو اس کی مرغوب چیزوں پر ابھارتا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کشتی کے لیے دریا کا بہاؤ' دیکھو کس تیزی سے کشتی رواں ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کو اس کے داؤں سے بچنا مشکل ہے۔ جب فرشتے کسی شخص کو ایمان پر مرتے دیکھتے ہیں' تو اس کی سلامتی سے بچ جانے پر حیرت کرتے ہیں۔

قلب انسانی کے قلعے پر شیطان ہزاروں طریقوں اور ہزاروں راستوں سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کے فریب اور فتنے ان گنت ہیں۔ قلب انسانی میں در آنے والے فاسد خیالات اور وساوس' اس کے ہتھیار ہوا کرتے ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ ان شیطانی ہتھیاروں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے۔ غصہ' کبر و نخوت' غرور و مغالطہ' بد خلقی' غیبت

و استہزا 'حسد و حقد 'حرص و لالچ 'حب جاہ و حشم 'ریاکاری 'خود فریفتگی 'غفلت و نادانی 'شیطان کے پیدہ پیدہ ہتھیار ہیں۔

غرور یعنی دھوکہ و مغالطہ 'تکبر و عجب ہی کی مانند' دل و اخلاق کے امراض میں مہلک ترین ہے۔ دھوکے و مغالطے میں مبتلا لوگ وہ ہیں جو اپنے آپ اور اپنے اعمال کے بارے میں بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہیں 'اور ان سے پیدا ہونے والی آفتوں کے بارے میں بے خبر پڑے ہوئے ہیں۔ انھیں کھرے کھوٹے کی پہچان اور تمیز اور شعور ہی نہیں۔ یہ صرف ظاہری رنگ و صورت پر دھوکہ کھائے ہوئے ہیں۔ ان میں جو علم و عمل میں مصروف و مشغول ہیں اور گمراہی اور غفلت کے پردوں سے نکل بھی آئے ہیں' وہ بھی فریب پندار سے یکسر آزاد نہیں ہیں۔ بلکہ ہزار میں سے نوسو ننانوے اسی دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو اپنے ہاتھوں سے علیحدہ کر لیجیے۔ حضرت آدم ؑ عرض کریں گے کہ بارالہا' کس تناسب سے یہ علیحدگی عمل میں لاؤں؟ تب حق تعالیٰ فرمائے گا کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخی ہیں 'انھیں علیحدہ کر دو۔ یہ سب لوگ اگرچہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے جائیں گے 'لیکن دوزخ کا مزہ انھیں ضرور چکھنا پڑے گا۔ ان میں سے بعض غافل ہوں گے' بعض گمراہ 'بعض مغرور' اور بعض وہ کہ خواہشات کے غلام ہوں گے مگر اپنے آپ کو بے قصور تصور کرتے ہوں گے۔ غرض غرور و مغالطے میں مبتلا لوگوں کا شمار ہی نہ ہو گا' سب سے بھاری اکثریت انھی لوگوں کی ہوگی۔ ان میں علما و فقہا' زاہدین و عابدین 'لیڈر اور عوام سب ہی شامل ہیں۔

ان میں پہلا گروہ علما و فقہا کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بعض اوقات ساری ساری عمر حصول علم میں لگے رہتے ہیں' اور بہت سا علم حاصل بھی کر لیتے ہیں 'لیکن عمل اور معاملات میں وہ اس پر کاربند نہیں ہوتے۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ علم نے انھیں اس درجے کو پہنچا دیا ہے کہ نہ وہ کبھی مبتلائے عذاب ہوں گے 'نہ ان کے کسی عمل سے ان کا مواخذہ ہو گا۔ بلکہ وہ خود ہی کیا' ساری مخلوق کی نجات انھی کی شفاعت پر منحصر ہے۔ ایسے علمائے بے عمل 'کلام الٰہی کی رو سے 'گدھے اور کتے کی طرح ہیں۔

ان میں بعض ظاہر عمل میں تو تقصیر نہیں کرتے 'مگر دل کی طہارت سے غفلت برتتے ہیں۔ ان کا باطن ہمیشہ اخلاق بد سے آلودہ رہتا ہے۔ اپنے کو بہت کچھ سمجھنا' دوسروں سے حسد کرنا' نام اور شہرت کے لیے عمل کرنا' دنیوی حیثیت کا خواہاں ہونا' اور دوسروں کی بدخواہی کرنا' یہ ان کے خاص اطوار ہوتے ہیں' اس کے باوجود یہ لوگ اس خوش گمانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ بداخلاقیوں سے پاک اور محفوظ ہیں۔

جو علما و فقہا علم و عمل میں پورے ہوتے ہیں ان کو ابلیس اس طرح سے دھوکے میں ڈال دیتا ہے

کہ انھیں علم کے تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ انھیں اس خیال میں ڈالتا ہے کہ تم لوگ شرع کے حامل ہو' تم ہی سے بدعت کی بنیاد ختم ہوتی ہے۔ بعض علما' واعظین' صوفیا اور قاریوں پر' جو اپنے علوم میں کامل ہوتے ہیں' شیطان اپنا دام اس طرح ڈالتا ہے کہ ہم دین کو پھیلانے کا عظیم الشان کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کا نام مشہور ہو' ان کی شہرت ہر طرف پر لگا کر اڑے۔ وہ نامور کہلائیں۔ لوگ دور دور سے سفر کر کے ان کی خدمت میں آئیں۔ بہت سے علما ابلیس کے ظاہری مکر و فریب سے بچ جاتے ہیں' تو وہ ان پر مخفی وار کرتا ہے۔ وہ ان سے کہتا ہے کہ میں نے تیرے برابر عالم و فاضل کسی کو نہیں پایا' اور ابلیس کے داؤ پیچ اور آمد و رفت کو اچھی طرح پہچاننے والا تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اگر وہ ان باتوں پر یقین کر لیتا ہے تو خود بینی میں تباہ ہوا۔ اگر اس نے شیطانی وسوسہ کو پہچان لیا تو فضل الٰہی سے بچ گیا۔

سری سقطی ؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی باغ میں داخل ہوا' جس میں ہر قسم کے درخت موجود ہیں' اور ان پر ہر قسم کے طیور بیٹھے ہیں' اور ان میں سے ہر طائر نے اس شخص کا یہ کہہ کر استقبال کیا کہ "السلام علیکم یا ولی اللہ" ' اور یہ سن کر وہ شخص واقعی اپنے بارے میں اسی گمان میں مبتلا ہو گیا' تو وہ بے شک شیطان کی تلبیس کا شکار ہو گیا۔

سب سے بڑا دروازہ جس سے ابلیس لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کرتا ہے' جہالت کا دروازہ ہے۔ ابلیس جاہلوں کے پاس بلا روک ٹوک آتا جاتا ہے۔ جاہل عابدوں اور زاہدوں کو ابلیس اپنے جال میں اس طرح پھنساتا ہے کہ وہ علم پر عبادت کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ بعض ارکان صلوۃ میں غلو کرتے ہیں۔ بعض نے ترک دنیا' ترک مال' ترک اولاد کو اپنا شعار بنا لیا۔ بعض نے لوگوں پر اپنے زہد و اتقا کا رعب بٹھانے کے لیے مخصوص وضع قطع اختیار کی۔ پیوند لگے لباس پہننا اکثر پھٹے حالوں میں رہنا عادت بنالی۔ لوگوں سے بدمزاجی سے پیش آنا' منہ پھلائے رکھنا' کچھ کھانا نہ پینا' دنیا اور اس کی مصروفیات سے اظہار نفرت' قبرستانوں میں پڑ رہنا' داخل عادت کیا۔ پیری مریدی کا دھندا کرنے والے بھی ابلیس کی تلبیس میں پڑ کر ان سے پیچھے نہ رہے۔ انھوں نے اپنی ظاہری شان و شوکت کے الگ انتظامات کیے ہیں' اور ایسے بہ کثرت لوگ دکھاوے کے لیے ولی اللہ بنے پھرتے ہیں۔ ایسے علما و فضلا بھی کم نہیں جنھیں ہر دم اپنی علمیت و فضیلت کا چرچا کرنے کی فکر رہتی ہے۔ قرآن پاک کے بعض قاری ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر ڈالتے ہیں' حالانکہ نہ حروف کی ادائیگی صحیح ہوتی ہے' نہ ترتیل۔ بعض مسجدوں میں لاؤڈ سپیکروں پر با آواز بلند تا دیر قرات کرتے رہتے ہیں اور خلق خدا کو بے جا عذاب دیتے ہیں۔

دوسرا گروہ عوام ہیں۔ عوام کی اکثریت زیادہ تر جاہل ہوتی ہے' اس لیے شیطان کے لیے ان پر

اپنی تلبیس ڈالنا آسان ہوتی ہے۔ یہ بناوٹی زاہدوں' عابدوں اور پیروں کے بہت جلد معتقد ہو جاتے ہیں۔ کسی بہت بڑے جاہل کے جسم پر جبہ و دستار ہی دیکھ لیں' تو فوراً معتقد ہو جائیں گے۔ اگر وہ سر کو جھکالے اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے تو انھیں فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے بزرگوں کو شفاعت کا حق حاصل ہے' اور اس شفاعت کی حق دار ان کی اولاد ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق شفاعت وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ خود اس کی اجازت دے گا۔ اسی لیے جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو کشتی میں بٹھانا چاہا تو ارشاد ہوا کہ یہ لڑکا تمھاری اہل میں نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شفاعت اپنے ماں باپ کے حق میں قبول نہ ہوئی۔ نبی کریمؐ نے اپنی پھوپھی صفیہؓ اور بیٹی فاطمہؓ سے کہا تھا کہ خدا کے یہاں میں تمھارے کسی کام نہ آؤں گا۔

عوام کو شیطان کا فریب یہ بھی ہے کہ پیری مریدی کے دھندوں میں پڑ کر اپنے پیر کو اپنا نجات دہندہ سمجھ لینے کا عقیدۂ بد ان میں کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح کسی درگاہ سے وابستگی' کسی بزرگ کے مزار کی مجاوری' اس کے نام کا ملنگ یا فقیر بن جانا بھی اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد خود جو کچھ کریں اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ صرف تقویٰ ہی ہے جو عذاب سے دور رکھتا ہے۔

بعض کہتے ہیں ہمارے گناہ ہی کتنے ہیں جو ہم کو عذاب ہو گا! ہمارے گناہ کا خدا کو کوئی نقصان نہیں' اور ہماری اطاعت سے اس کو کوئی نفع نہیں' اس کا عفو ہمارے جرم سے عظیم تر ہے۔ یہ سوچ ایک بہت بڑی حماقت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہم جلد گناہوں سے توبہ کر لیں گے اور نیک بن جائیں گے۔ ان کی یہ باتیں باتیں ہی رہیں' اور موت نے توبہ سے پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیا۔ خطا میں جلدی کرنا اور نیکی کو ٹالتے رہنا کوئی عقل مندی نہیں۔ بسا اوقات توبہ میسر نہیں ہوتی' اور اکثر توبہ ٹھیک نہیں ہوتی' بعض دفعہ قبول نہیں ہوتی۔

شیطان نے اکثر عوام کو یہ دھوکہ بھی دے رکھا ہے کہ وہ نماز روزہ کر لینا' شب معراج اور شب قدر میں نوافل پڑھنا' وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور رونا دھونا ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ نہ مال حرام کمانا چھوڑتے ہیں' نہ لوگوں کے حقوق مارنا' نہ دھوکہ' فریب دہی' غیبت' تند خوئی اور دوسروں کی تذلیل و تحقیر سے اجتناب کرتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں' روتے ہیں' حالانکہ اخلاق و معاملات میں بری باتوں پر اڑے رہتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی کچھ کہتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

ایک طبقہ مال دار لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض مال حرام سے مسجدوں' پلوں' سراؤں

کی تعمیر کرواتے ہیں' اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں مال صرف کرتے ہیں۔ بعض ایسے نیکی کے کام مال حلال سے ہی کرتے ہیں' لیکن ان کا مقصد ریاکاری ہوتا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی بنوائی ہر سڑک' ہر مدرسے' ہر مسجد' ہر پل' ہر عمارت پر اپنا نام کندہ کروائیں۔ ان کے گردوپیش بسنے والے غریب لوگ اور ہمسائے چاہے روٹی کے ایک ٹکڑے کو ترسیں' یہ لوگ انھیں اپنے قریب نہیں آنے دیتے۔ انھیں اصلی اور بے ریا خدمت خلق کے بجائے اپنے کاموں کی تشہیر زیادہ پسند ہوتی ہے کہ ان کا نام اور کام اخبارات وغیرہ میں آئے ان کی تصاویر چھپیں' ان کی مدح میں کالم لکھے جائیں۔ بیوہ عورتوں میں کپڑے' پیسے' سلائی مشینیں' تقسیم کرنے کی خبریں اور تصویریں آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس طرح یتیم خانوں' مسجدوں اور مکتبوں میں عطیات دینے کی خبریں اور تصویریں بھی اخباروں' ٹیلی ویژن وغیرہ پر آتی رہتی ہیں۔

بعض مالدار وہ ہیں کہ حلال رزق سے خلوص نیت سے خرچ کرتے ہیں' لیکن اس خرچ کی نوعیت عجیب ہوتی ہے۔ جیسے مساجد کی تزئین و آرائش' اسی کو وہ نیکی کا کام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسی تزئین و آرائش سے نمازیوں کے دھیان میں خلل پڑتا ہے' اور وہ انھی نقش و نگار کو دیکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی نقش و نگار اپنے گھروں میں کرنے کی خواہش ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ حضورؐ نے مسجدوں کی آرائش و زیبائش کرنے والوں پر اور قرآن پر سونا چڑھانے والوں پر افسوس کیا ہے' کیونکہ یہ چیزیں دلوں کے تقویٰ اور عبادات میں خشوع و خضوع کو ضائع کرنے والی ہیں۔

ان مالداروں میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ زکوۃ دینا انھیں گراں گزرتا ہے۔ زکوۃ یا عشر بھی دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کو جو انھی کے کارندے گماشتے ملازم' تاکہ انھیں زیادہ سے زیادہ اپنا اطاعت گزار بنالیں' یا ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو ہردم حاکموں یا افسروں کی خدمت میں رہتے ہیں' تاکہ بڑے لوگوں تک ان کی رسائی ہو سکے۔ بعض لوگ تو زکوۃ بھی نہیں دیتے اور مال جمع کرتے چلے جاتے ہیں اور دعویٰ ہوتا ہے پارسائی کا۔ یہ بڑے اہتمام سے روزے رکھتے ہیں' شب بیداریاں ہوتی ہیں' غرض کون سا سوانگ ہے جو نہیں بھرا جاتا' مگر زکوۃ ساقط کرنے کے لیے حیلے کرتے ہیں۔

بعض لوگ بڑے اہتمام سے بزرگوں کے مقابر اور عرسوں پر حاضری دیتے اور حج پر حج کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ "ایسے لوگ جو بے سبب حج کرتے ہوں گے وہ حج سے واپسی پر لٹے پٹے اور خالی ہاتھ ہوں گے یعنی ثواب سے محروم"۔

ایک گروہ حکمرانوں اور لیڈروں کا ہے۔ ان لوگوں پر شیطان کا زور سب سے زیادہ چلا کرتا ہے۔ غرور و مغالطے میں بھی یہی لوگ سب سے زیادہ مبتلا ہوا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں شیطان یہ بات ڈالتا ہے کہ تم اللہ کے پسندیدہ بندے ہو ورنہ وہ تمھیں حکومت نہ دیتا۔ اسی فریب میں

آکر وہ اپنے انداز و اطوار اور چال ڈھال میں متکبرانہ آن بان پیدا کر لیتے ہیں - حکمران دراصل زمین پر اللہ کے نائب ہیں ' ان کا فرض اسی کے قانون شریعت پر چلنا ہے - یہ ایسا کریں تو اللہ انھیں پسند فرمائے گا ' ورنہ اس نے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی حکومت دی ہے جن پر اس کا غضب نازل ہوا ' مثلاً فرعون ' نمرود ' شداد وغیرہ -

جب تک کوئی حکمرانی کی کرسی پر نہیں بیٹھ جاتا ایک عام انسان ہوتا ہے - وہ اپنے ساتھیوں ' رفقا اور عام لوگوں سے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ حکومت میں آکر وہ ان کے لیے یہ کام کرے گا ' وہ کام کرے گا - لیکن جب اسے حکمرانی مل جاتی ہے تو اس کے سر میں اپنی بڑائی اور عظمت کا خناس بھر جاتا ہے - جن لوگوں نے اسے ووٹ دے کر کرسی اقتدار پر بٹھایا ہوتا ہے ان سے کیے ہوئے وعدے وعید بھول جاتا ہے - عام لوگوں کے لیے اس کے دروازے بند ہو جاتے ہیں - اپنی جھوٹی خدائی کے نشے میں وہ اپنے اقتدار کو دائمی سمجھنے لگتا ہے - اس میں ایسا کبر و نخوت پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا - موجودہ زمانے میں جن جن ملکوں میں آمریت قائم ہے ان کے حکمران ایسی ہی مثال ہیں - اللہ اور رسول ؐ کی تعلیمات سے روگردانی ' اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑانا ' دینی اداروں کی تباہی ' علما و صلحا پر مظالم ان کا شعار بنا ہوا ہے - ساتھ ہی اسلام کا دم بھرتے ہیں ' مسجدوں میں حاضری دیتے ہیں اور عمرے پر عمرے کیے چلے جاتے ہیں - اپنے اقتدار کے نشے میں غرق ایسے متکبر و جابر حکمرانوں کو یہ بھی بھول جاتا ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوا کرتی ہے - شاہ ایران کا کیا حشر ہوا؟ انور سادات ' ذوالفقار علی بھٹو اور مجیب الرحمن کس انجام سے دوچار ہوئے؟ سب کے سامنے ہے -

حکمران اور لیڈر اقتدار میں آنے کے بعد اپنے آپ کو تمام ضابطوں اور اصولوں سے آزاد کر لیتے ہیں - وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرنے لگتے ہیں - ابلیس ان کے دلوں کو لبھاتا ہے کہ اموال عوام یعنی سرکاری خزانے سے جس طرح چاہو خرچ کرو ' جس طرح چاہو اپنے لیے لے لو - حالانکہ یہ لوگ خزانے کے محافظ ہیں ' اور ان کا فرض اس کے ایک ایک پیسے کو جائز طریقے سے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ' ملک کے استحکام و خوشحالی کے لیے خرچ کرنا ہے - انھیں یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اللہ کے ہاں ان کے ہر کام کا حساب ہوگا ' ایک ایک پیسے پر پرسش ہوگی - اکثر حکمران اپنے عوام کے حالات سے یوں بے خبر رہتے ہیں کہ ان کے مشیر اور کارپرداز انھیں یہ فریب دیتے رہتے ہیں کہ ملک میں ہر جگہ امن و امان ہے ' حالات سب ٹھیک ٹھاک ہیں - حالانکہ ایسا نہیں ہوتا -

مخالفین کو طرح طرح سے ستانا ' ان پر عرصہ حیات تنگ کر دینا ' ان کے مال و اسباب ' جائیدادیں ضبط کر لینا ' عوام پر بے جا ٹیکس کا بوجھ لاد دینا بھی ایسے ہی حکمرانوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے ' اور وہ ایسا کرنے میں خود کو حق بجانب قرار دیتے ہیں - بڑے حکمرانوں کے افسران بھی بڑے ہی کام کرتے ہیں

اور ان کاموں کا قصوروار اپنے آپ کو نہیں بلکہ حکمران ہی کو قرار دیتے ہیں کہ اسی نے انھیں ایسے کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ بھی ان پر شیطان کی تلبیس ہے۔

غرور و مغالطہ سے کوئی شخص بچا ہوا نہیں سوائے ان لوگوں کے جنھیں شیطان کے مکر و فریب سے آگاہی ہو جائے۔ ایسے ہی شخص پر محبت الٰہی کا غلبہ ممکن ہو سکتا ہے جو دنیا کو اپنی نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے یعنی اس کا عدم و وجود اس کی نظروں میں برابر ہوتا ہے اور صرف بقدر ضرورت اکتفا کرنا اسے آجاتا ہے۔ موت اسے ہر وقت اپنے قریب کھڑی سامنے دکھائی دیتی ہے۔ یعنی وہ مرنے کے لیے تیار رہتا ہے اور خوف الٰہی سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ یہ مشکل امور اسی پر آسان ہوتے ہیں جن پر حق تعالیٰ آسان کر دے۔ یعنی توفیق الٰہی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور یہ توفیق اسے ہی ملتی ہے جو اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسی کی طرف بڑھتا ہے۔

اسلامی بیداری: مستقبل کے تناظر میں

ڈاکٹر مانع حماد الجھنی

ترجمہ و تلخیص: محمد فاروق خٹک

آج دنیا کے ہر حصے میں اسلامی بیداری کی لہریں کسی نہ کسی شکل میں موج زن ہیں۔ نیز ہر مقام پر ان کا سفر سفر کے فطری مراحل سے دوچار ہے۔ راہ کی رکاوٹیں بھی ہیں اور اندیشے بھی۔ اس حوالے سے ہم عالم عرب کے ممتاز اسکالر اور ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے سکریٹری جنرل' ڈاکٹر مانع حماد الجھنی کی ایک تحریر کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ (مدیر)

اسلامی بیداری کو لاحق خطرات

اسلامی بیداری کی تحریک امت کو جمود' پستی' غلامی' فراموشی ذات اور گمشدگی شناخت سے نکالنے کے لیے اٹھی ہے۔ اس کے لیے جہاں بے انتہا جدوجہد ضروری ہے' وہاں ان خطرات کی سنگینیوں کا احساس اور تدارک بھی ضروری ہے جن سے یہ تحریک دوچار ہو سکتی ہے۔ ان خطرات کو تین عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے: ذاتی خطرات' داخلی خطرات اور خارجی خطرات۔

ذاتی خطرات

بعض پرجوش نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم معاشرہ میں دین پر عمل کی رفتار بہت ست ہے۔ وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ شریعت اور دین و اخلاق کے منافی مظاہر کو ہر صورت میں فوراً ختم ہونا چاہیے۔ وہ اسلام کی خوبیوں کے ادراک کے لیے وقت دینے کو تیار نہیں ہیں۔

نتائج کے سلسلے میں عجلت پسندی انسانی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بار بار صبر و حکمت کی تلقین کی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غالب کرے گا یہاں تک کہ مسافر صنعا سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا اِلّا یہ کہ بھیڑیا اس کی بکریوں کو کھا جائے' لیکن تم جلد بازی کرتے ہو۔ اس لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ "اجتماعی اصلاح و تربیت کے عمل کی کامیابی کے لیے' عجلت پسندی کے بغیر' ایک

بھرپور اور طویل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

بعض افراد میں انتہاپسندی کے رجحانات نظر آتے ہیں۔ انتہاپسندی کی وجہ سے دعوت اور پرامن ذرائع انقلاب پر اعتماد کمزور ہوتا ہے ' اور تشدد اور مسلح انقلاب کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ اسلام نے انتہا پسندی کی مذمت کی ہے اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے حکمت کا رویہ اپنانے پر زور دیا ہے۔ اسلامی بیداری کو انتہاپسندی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ نوجوان تشدد کی راہ نہ اختیار کریں۔

بعض افراد میں علم دین کی کمی ہوتی ہے۔ تحریک کے تمام افراد اس نوعیت کے علم کے محتاج نہیں ہوتے ' لیکن قیادت کے منصب پر فائز افراد کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی روشنی میں پیچیدہ مسائل کو حل کرنے ' پالیسی بنانے اور خطوط کار متعین کرنے کا پختہ علم و شعور حاصل کریں۔

بعض افراد مخصوص دعوتی و فکری رجحانات کی طرف مائل ہوتے ہیں ' اور بعض مخصوص تحریکی ' سیاسی و تعلیمی گروہوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ رجحانات اور گروہ ' حتیٰ کہ اسلامی جماعتیں ' مخصوص حالات کے نتیجہ میں اور مختلف معاشروں میں پروان چڑھتے ہیں۔ ان کے اپنے رنگ اور الگ الگ طریقہ کار ہیں۔ ہرمقام پر اور ہر زمانے میں ان کی پیروی منفی پہلوؤں کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ اس لیے اسلامی بیداری سے وابستہ افراد کو اپنے فکر و نظر میں وسعت پیدا کرنی ہوگی۔

داخلی خطرات

یہ وہ خطرات ہیں جو اسلامی بیداری کو ان مسلمانوں سے لاحق ہیں جن کی فکر ان کی فکر سے میل نہیں کھاتی۔ ان خطرات کے دو اہم مصدر ہیں: ایک ' بعض مسلمان حکومتیں ' اور دوسرے وہ جماعتیں اور گروہ جو اس بیداری کے مخالف ہیں۔ مسلم ممالک کی حکومتوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: وہ حکومتیں جو اسلام کی مخالف ہیں ' اس بیداری کو مکمل طور پر ختم کر دینا یا عام زندگی میں بے اثر بنا دینا چاہتی ہیں۔ ان ممالک کے دستور میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ سیکولر ہیں ' یا ان کے حکمران اپنی سوچ میں بالکل سیکولر ہیں۔ ان حکمرانوں کی سیاسی تربیت اور تہذیبی اٹھان مغربی تہذیب کے اداروں میں ہوتی ہے ' جو اب بھی بہت سے معاملات میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے اپنی من مانی کراتے ہیں۔ بسااوقات ان کے یہ تربیت یافتہ شاگرد ان کے رٹائے ہوئے سبق کو کچھ زیادہ ہی اچھی طرح یاد کر لیتے ہیں ' اور اس کو نافذ کرنے میں اتنا زیادہ آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کے مربی حضرات خود اپنے شاگردوں کو سختی اور تشدد کم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔

دوسری طرح کی حکومتیں وہ ہیں جو اسلام کی کھلم کھلا مخالف نہیں ہیں ' بلکہ کچھ نہ کچھ اسلام کے حق میں بھی کام کرتی ہیں اور اسلام کو اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن جس اسلام کو یہ حکومتیں اختیار کرتی ہیں وہ حکومتی اسلام ہے ' تاکہ وہ اقتدار سے فائدہ اٹھانے والوں کے مفادات کے لیے

خطرہ نہ بنے۔ اس لیے ہر وہ شخص جو اسلام کو اس کے پورے حسن و جمال کے ساتھ اور مکمل طور پر نافذ کرنے کی بات کرتا ہے' وہ ان حکومتوں کی نظروں میں بنیاد پرست' انتہا پسند اور ملک اور باشندگان ملک کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ وہ اس شخص پر بغاوت اور حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کا الزام ثابت نہیں کر پاتیں' لیکن دہشت' تعذیب اور سزائے موت تک کے تمام حربے استعمال کرتی ہیں۔ وہ انسانی حقوق کے معمولی سے حق سے وہ اسے محروم رکھتی ہیں۔ یہ سب کچھ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق سے متعلق عالمی تنظیموں کی نگاہوں کے سامنے انجام پاتا ہے مگر کوئی بھی مداخلت یا احتجاج کرنے کا روادار نہیں ہوتا۔ بعض حکومتیں اسلام کی طرف اپنا میلان اس لیے ظاہر کرتی ہیں کہ ناپسندیدہ اسلامی تحریک کی قوت کا اندازہ کر کے اسے کچل دیں' جیسا کہ گذشتہ برسوں میں کئی مسلم ممالک میں ہوا ہے۔

اسلامی تحریک کو ان دونوں طرح کی حکومتوں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے' لیکن اسے خطرہ دونوں سے ہے۔ پہلی قسم کی حکومتوں سے خطرہ عقیدہ کی دشمنی پر مبنی ہے جس سے بچنا ناممکن ہے۔ دوسری قسم کی حکومتوں سے خطرہ اس تصور اسلام کو کمزور کرنے کا ہے جس کی نمایندگی اسلامی بیداری کرتی ہے۔ بسا اوقات حکمراں یہ سمجھتے ہیں' اور ان کے بیرونی آقا اور اندرونی مشیر انھیں یہی سمجھاتے ہیں' کہ اسلامی تحریک کا اسلام انتہا پسند ہے جس کے ساتھ گزارہ ممکن نہیں ہے۔ یہ بنیاد پرست عصر حاضر کی ترقی کے مخالف ہیں' یہ تمھاری حکومت اور امن و امان کے لیے اور عالمی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ امت قرون اولیٰ کی طرف لوٹ جائے۔

ان حکومتوں سے جو خطرات ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: ظلم و جبر کے ذریعہ تحریک کا خاتمہ کرنا۔ اس کے افراد پر عرصہ حیات تنگ کرنا۔ اس کے دعوتی اداروں کو کام کرنے سے روکنا۔ لوگوں کو اس تحریک سے متنفر کرنا۔ میڈیا کے مختلف وسائل و ذرائع کو اس کے خلاف استعمال کرنا۔ پارٹیاں قائم کرنے کی اجازت کے باوجود' جماعت قائم کرنے کی اجازت ہی نہ دینا۔

دوسرا خطرہ ملک کے دیگر غیر اسلامی گروہوں سے ہے:

۱۔ بعض گروہ: مثلاً کمیونسٹ اور اشتراکی جماعتیں اسلام کی مخالفت اپنے اصول کی بنیاد پر کرتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اسلام ان کے لیے خطرہ ہے۔ بعض گروہ چاہتے ہیں کہ مسلم معاشرہ ہر ہر معاملے میں لبرل مغربی تہذیب کی نقالی کرے۔ ان کے خیال میں دنیا میں عزت اور ترقی کی یہی راہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم سوسائٹی میں سینما' ڈرامے اور فن کے ذریعے اور سودی اداروں کے واسطہ سے برائی کا چلن عام ہو۔

ان سب خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت ضروری ہے کہ اسلامی بیداری سے وابستہ افراد احتیاط اور فہم و بصیرت سے کام لیں۔ مسلم حکومتوں سے معاملہ کرنے کے لیے قابل قبول وسیلہ تلاش

کریں' حکمت عملی اور موعظت کے ساتھ دعوت دین کا کام کریں' مسلح آویزش' افراتفری اور بدامنی پیدا کرنے سے بچیں کہ یہ مزید مشکلات کا سبب بنتے ہیں' حقیقت کا ادراک کر کے تعمیری افہام و تفہیم کا ماحول پیدا کریں تاکہ اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے سازگار مواقع پیدا ہوں۔

خارجی خطرات

اسلامی بیداری ہر مسلم معاشرہ کا اندرونی معاملہ ہے لیکن اس کے باوجود عالمی طاقتیں اس پر کڑی نظر رکھ رہی ہیں۔ مغرب کے بیشتر ملکوں میں خارجہ امور کی وزارتیں' مراکز برائے تحقیق اور اسٹرے ٹیجک مطالعات' ان ملکوں کی جامعات' استشراق کے مراکز تحقیق اور حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کے لیے یہ موضوع اہم ترین موضوع بن گیا ہے۔ اسلامی بیداری' بنیاد پرستی اور سیاسی اسلام پر مغرب میں جتنا کچھ لکھا گیا ہے وہ تمام مسلم ممالک میں' ان موضوعات پر لکھے گئے مواد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اسلامی بیداری کی تحقیق اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب اقدامات اختیار کرنے کی غرض سے متعدد کانفرنسوں اور اجتماعات کا انعقاد بھی کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر امریکی خفیہ ادارے (سی-آئی-اے) نے ۱۹۸۲ میں اسلامی بیداری پر ۱۲۱ کانفرنسوں کے انعقاد کے مصارف کا بار اٹھانے کی ذمہ داری لی تھی۔

عالمی طاقتوں کی دلچسپی کا ایک سبب ان کا یہ احساس ہے کہ اگر مسلم معاشرہ اسلام کی طرف واپس آگیا تو مسلم ممالک میں ان کے مفادات پر ضرب پڑے گی۔ وہ مستقبل بعید کے تناظر میں اسلام کے تہذیبی غلبے کے خطرے کا بھی احساس کر رہے ہیں جس نے یورپ کو باج گزار رکھ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق و مغرب کی استعماری طاقتیں مسلسل یہ کوشش کر رہی ہیں کہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اسلام کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکے اور اپنے اہداف کے حصول کے لیے مغربی ادارے براہ راست اور بالواسطہ اسلام کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ انقلابات' ہنگامے' اقتصادی بائیکاٹ' انتہا پسندی اور دہشت گردی کے الزامات اور اسلامی بیداری سے وابستہ افراد کی کردارکشی ان کے واضح حربے ہیں۔ عالمی میڈیا اور خود عالم اسلام کا میڈیا تک اس میں ملوث ہے۔

یہ طاقتیں مسلسل اس بات کی کوشش کر رہی ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح مسلم ملکوں کی حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اسلامی فکر کو ختم کر دیں۔ کبھی سفارتی دباؤ کے ذریعے' کبھی ان ملکوں میں بسنے والی اقلیتوں کے مفاد میں گہری دلچسپی کے ذریعے۔ وہ حکومتیں جو ان کے دباؤ کے آگے نہیں جھکتی ہیں اور ملک کی داخلی سیاست میں مداخلت گوارا نہیں کرتیں' انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس عداوت کا مظاہرہ ان مغربی ملکوں سے بھی کیا جاتا ہے جہاں مسلم اقلیتیں بستی ہیں۔

مغربی صحافت کا مشاہدہ کرنے والا شخص اس طرح کی کوششیں واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ مثال

کے طور پر The Flame (دی فلیم) نامی برطانوی میگزین میں ایک مقالہ "برطانیہ کی خاطر جنگ" کے عنوان سے شائع ہوا' اور اس میں یہ بات کہی گئی کہ اگر مغربی ممالک اور خاص کر برطانیہ بیدار نہیں ہوتا تو وہ دن آنے والا ہے جب مسلمان ان ملکوں کو حجاب اختیار کرنے' حلال گوشت کھانے' سودی بینکوں کو ختم کرنے اور اسلامی زندگی کے مظاہر اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔

اسی طرح ایک امریکی رسالے The Chicago Tribune (شکاگو ٹریبون) میں ایک مضمون شائع ہوا' جس کا عنوان تھا "اسلام اور تبدیلی کی ہوائیں"۔ اس مضمون میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ عالم اسلام بنیاد پرستی کی بنیاد پر تبدیلی کی جس نئی لہر کا محتاج ہے مغرب اس کا از سرنو جائزہ لے۔ اسی خوف اور تعصب کا نتیجہ ہے کہ بعض ممالک میں مسلمان دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے ہیں اور بہت سارے حقوق سے محروم کر دیے گئے ہیں۔

اسلامی بیداری کی تحریکوں کے قائدین کو ان تمام داخلی اور خارجی خطرات اور اندیشوں کو سامنے رکھ کر اپنی حکمت عملی طے کرنا چاہیے تاکہ منزل کی طرف سفر کامیابی کے مراحل سے گزرے۔

کامیابی کا راستہ

اسلامی بیداری کی تحریک کو اس بات کا مکمل اور واضح شعور ہونا چاہیے کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے کہ مکمل آگہی اور شعور ہی مقاصد کو حاصل کرنے کے وسائل اور ذرائع کا تعین کرتے ہیں۔ اسلامی تحریک کے مقاصد اور اہداف اس وقت تک حاصل نہ ہو سکیں گے جب تک کہ دعوتی قوت اور حکومتی اقتدار دونوں ان کے ہاتھوں میں نہ ہوں۔ مقاصد و اہداف کے تعین کے بعد ضروری ہے کہ ترجیحات کو متعین کر لیا جائے' اور انھیں زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ کرنے میں تدریج کا خیال رکھا جائے اور افراط و تفریط سے بچا جائے۔

سنگین خطرات اور فی الوقت محدود امکانات کے پیش نظر محض اس تحریک کے مختلف گروہوں کے درمیان ہی تعاون ضروری نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص یا گروہ سے تعاون ضروری ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے سلسلے میں کچھ بھی کام انجام دے رہا ہو۔ اس عموم میں ملکی ادارے' افراد اور کمپنیاں بھی شامل ہیں۔

اسلامی بیداری سے وابستہ افراد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے مزین کریں اور دعوت میں حکمت سے کام لیں۔ حکمت ہی دعوت کی کامیابی کی بنیاد ہے۔ کبھی کبھی حکمت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ داعی دعوت یا نصیحت کے معاملے کو اس انداز سے پیش کرتا ہے گویا وہ مخاطب سے مشورہ طلب کر رہا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ نَہی عَنِ الْمُنکَر اور غلطی پر ٹوکتے وقت خاص طور پر نرمی و حکمت کو ملحوظ

رکھا جائے کیونکہ غیرحکیمانہ انداز سے نہی عن المنکر کرنے سے مخالف کی رائے اور شدید ہو جاتی ہے اور وہ اپنے غلط موقف کا دفاع کرنے لگتا ہے۔ چاہیے کہ دلوں میں اسلامی محبت پیدا کریں اور خیر کے جذبات کو ابھاریں۔

ایک مقصد یہ بھی ہونا چاہیے کہ اسلامی تحریک تمام انسانوں کو اپنے حق میں ہموار کرے۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے اور ان کے سامنے اسلام کا کمال و جمال اس طور پر پیش کرے کہ وہ اسلام کو پسند کریں اور قبول کر لیں۔ مسلمانوں کو دینی تعلیمات کے ذریعے تزکیہ کرے۔ ان کے اندر ایمان و خیر کے پوشیدہ جذبات کو اس طرح ابھارا جائے کہ وہ دین کو پہچان لیں اور اس کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان تحریک اسلامی کا ہدف ہیں۔ اسے اس بات کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے کہ لوگ اس دین کے دوست بن جائیں' اور بلاشبہ دوست بنانا دشمن بنانے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مسلم سماج میں ان وسائل کو تلاش کرنا چاہیے جو اسلامی دعوت کے لیے دوست بنانے کا ذریعہ بنیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس میں ناکامی تباہ کن ہے اور دین کے مصالح کے لیے مضرت رساں ہے۔ دوست بنانے کے سلسلے میں اسلامی بیداری سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام مسلمانوں سے حسن ظن رکھیں۔ معاملہ کرتے وقت غلط فہمی یا حقارت کا رویہ اختیار نہ کریں۔ یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہے کہ تمام مسلمانوں میں خیر کا پہلو غالب ہے اور ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ ہے جسے وہ دین کے لیے پیش کر سکتا ہے' اور ایک شخص کے بارے میں ہماری منفی سوچیں غلط ہو سکتی ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن رکھنا اسلامی اخوت کا تقاضا ہے۔ لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کا بہترین طریقہ اصحاب فضل کا اعتراف اور ان کی اچھی باتوں کی تعریف کرنا ہے۔ اگر ہم ایک شخص کے اچھے پہلوؤں کی ہمت افزائی کریں گے تو گویا اس کا دل جیت لیں گے' یا کم از کم اس کے تنقیدی رویے میں کمی آجائے گی۔

اسلامی بیداری کی تکمیل کے لیے عورت کی شمولیت اور عملی دلچسپی ضروری ہے۔ عورتیں معاشرہ کا نصف حصہ ہیں اور وہی نئی نسلوں کی تربیت کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ مسلم ممالک کے خلاف فکری یلغار کا ایک خصوصی ہدف مسلمان عورت بھی ہے۔ مغربیت کے داعی مسلم معاشرہ میں عورت اور آزادی نسواں کے مسئلے کو اسلام کے خلاف اپنی جنگ کا اہم حصہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ فکری یلغار کے سارے تیروں کا رخ مسلم عورت کی طرف ہے۔ یہ تیر فیشن' زیب و زینت اور تبرج الجاہلیہ کے ہیں جو بڑی حکمت کے ساتھ عورت کی آزادی اور حقوق کے نام پر پھینکے جا رہے ہیں۔ بعض غیراسلامی نظریات کے علمبرداروں کا طریقہ واردات یہ بھی ہے کہ انھوں نے

عورتوں کے مسائل کو اس انداز سے چھیڑا ہے کہ بس وہی عورتوں کے حقوق کے حقیقی محافظ اور چیمپئن ہیں۔ ان کوششوں سے بہت سی عورتوں نے دھوکا کھایا ہے۔ بے شک بہت سی خرابیاں اور ناانصافیاں مسلم معاشرے میں جڑ پکڑ چکی ہیں جن کی وجہ سے عورتوں میں احساس محرومی پایا جاتا ہے۔ ان کا ازالہ ضروری ہے۔

اسلامی بیداری سے وابستہ افراد کو چاہیے کہ عورتوں پر خصوصی توجہ دیں، انھیں شریعت کے عطا کردہ تمام حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں، شرعی حدود کے اندر انھیں تعلیم، طب اور علوم کے میدان میں صلاحیتیں استعمال کرنے دیں۔ عورتوں کے ساتھ بے توجہی کا مطلب یہ ہے کہ ہم انھیں شیاطین جن و انس کے لیے لقمہ تر بنا دیں۔

ہر زمانہ کی اپنی خصوصیات اور تقاضے ہوتے ہیں، جن کی بنا پر وہ دوسرے زمانے سے ممتاز ہوتا ہے۔ موجودہ اسلامی بیداری ایسے زمانے میں ابھری ہے جس میں انسانی علوم نے بہت ترقی کی ہے، ملکوں کے فاصلے گھٹ گئے ہیں۔ وسائل اور ذرائع کے تنوع اور کثرت کی وجہ سے تہذیبوں کا اختلاط ہو گیا ہے۔ ساری دنیا سکڑ کر ایک گاؤں کی طرح ہو گئی ہے۔ اسی طرح آج کے دور میں جو نئے افکار و معتقدات اور انسانی سلوک اور رویوں میں جو جدتیں پیدا ہوئی ہیں ان سے پہلے کے لوگ آگاہ نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام دنیا کے تمام گوشوں میں پھیل چکا ہے، اور اس کے ماننے والے اپنے تربیتی پس منظر، فکری ورثہ اور زندگی کے حالات کے لحاظ سے الگ الگ ہیں۔

ان ساری باتوں نے معاصر اسلامی بیداری کے کاندھوں پر ذمہ داریوں کے نئے بوجھ ڈال دیے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اسلامی تحریک کو اسلامی فکر اور تہذیب کی تشکیل میں، دعوتی کام کے طریقوں میں، اور لوگوں سے معاملہ اور تعلق قائم کرنے کے سلسلے میں نیا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ نئی اور مفید چیزوں سے، (جو کہ خلاف شرع نہ ہوں) بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔ کوتاہ نظری کا ثبوت دے کر اسلامی بیداری کو تنگ گھاٹی میں محصور نہیں کرنا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ (کتب، رسائل، اخبارات، ریڈیو، کیسٹ، ٹیلی ویژن) کا بائیکاٹ محض اس دلیل پر کہ میڈیا میں ایسے مواد ہوتے ہیں جو اخلاق کے لیے تباہ کن ہیں، نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ صحیح انداز فکر یہ ہے کہ ہم ان وسائل کو مسلم سماج کے خیر اور نفع کے لیے استعمال کریں۔

اسلامی بیداری کی قیادتوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اسلامی بیداری کے معاملات کو چلانے کے لیے شوریٰ کے اصولوں کی پاسداری کریں۔ اس اصول کی پیروی نہ صرف یہ کہ امت کے معاملات کو چلانے کے سلسلے میں اسلام کی تعلیم پر عمل کرنا ہے بلکہ اس بات کی بھی ضمانت ہے کہ اسلامی بیداری اپنے راستے سے نہیں بھٹکے گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے موقع پر باہر نکل کر

جنگ کرنے کی اکثریتی رائے کو قبول کیا تھا۔ اسی طرح غزوۂ بدر کے قیدیوں کے سلسلے اور دیگر کئی مواقع پر حضورؐ کی اصحاب کرامؓ سے مشاورت اس بات کی تعلیم تھی کہ مسلمان مشاورت کریں۔ آج کے زمانے میں اس کی افادیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

مختلف ملکوں میں بعض علمائے دین اور معاصر اسلامی بیداری کے نوجوانوں کے درمیان ایک دوری پائی جاتی ہے۔ یہ دوری ایک بڑی کمزوری ہے' جس سے کہ اسلامی دعوت عصر حاضر میں دوچار ہے۔ اس نقص کی ذمہ داری میں علما اور نوجوان برابر کے شریک ہیں۔ دوری کے کچھ اسباب یہ ہیں۔

بہت سے علما دعوت و ارشاد کے منصب سے دستبردار ہوکر حکومتی مناصب تک محدود ہوگئے ہیں یا انھوں نے صرف فتویٰ دینے پر اکتفا کر لیا ہے۔ اس چیز نے نوجوانوں کو دینی علم اور تربیت کی اس ہمہ گیر شکل سے محروم کر دیا ہے جس کی کہ اسلامی بیداری محتاج ہے۔ بعض نوجوانوں نے یہ یقین کر لیا ہے کہ حکومتی علما' اقتدار وقت کے پرستار ہیں' اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ اس چیز نے انھیں ہر اس عالم سے متنفر کر دیا ہے جس کا حکومت سے تعلق ہو۔ علما کی ثقافت اور ان کا تہذیبی پس منظر نوجوانوں کی تہذیب و ثقافت سے مختلف ہے۔ بعض علما نوجوانوں کی مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کی ضرورتوں کے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف نوجوان اپنے جوش و جذبہ اور نتائج کے سلسلے میں اپنی عجلت پسندی کی وجہ سے ان حالات کا ادراک نہیں کر سکتے جن میں کہ علما گھرے ہوئے ہیں جبکہ علما کو برداشت و حکمت اور معاملات کے سلسلے میں آہستہ روی سے کام لینا پڑ رہا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ اسلام پسند نوجوان علما کی ایک محدود تعداد سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ قافلہ کی رہنمائی اور قیادت کو صحیح راہ پر قائم رکھنے اور ماننے والوں کو دینی علم سے پوری طرح آراستہ ہونا چاہیے کہ یہی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس لیے اسلامی بیداری حقیقی علما سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ علما اور نوجوانوں کے تعلق کو جوڑنے کی ذمہ داری بحیثیت مجموعی اسلامی بیداری سے متعلق تمام افراد کو اٹھانی چاہیے۔ امت کو حیرانی کے صحرا سے نکالنے اور اسے اپنی شناخت واپس دلانے کے لیے ضروری ہے کہ علما اور نوجوان مل کر اس ذمہ داری کو پورا کریں۔

میرے تصور میں صحیح اسلامی بیداری کے جو نشانات تھے وہ بیان کر دیے۔ اگر اسلامی بیداری ان نشانات کو اختیار کرتی ہے تو ان شاءاللہ اپنے مقاصد میں کامیابی کی طرف بڑھے گی' اور دنیا کے سامنے عملی دلیل سے یہ ثابت کر سکے گی کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے' عقل و منطق اس کی بنیاد ہے' امن کے راستے پر چلنا اس کا شیوہ ہے۔

اسلامی قیادت ـــــ قرآن کی روشنی میں

محمد فاروق خاں

محمد فاروق خاں بھارت کے ممتاز عالم ہیں۔ انھوں نے قرآن پاک کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور کلام نبوت (اول و دوم) کے نام سے منتخب احادیث کا مشرح مجموعہ مرتب کیا ہے۔ ان کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔

کسی بھی انسانی گروہ کو صحیح قیادت کے بغیر نہ تو حقیقی طور پر متحد کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے بغیر وہ کوئی عظیم کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ قومی یا ملی وجود کی بقا کے لیے صحیح قیادت ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ قرآن کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جو قیادت فرمائی ہے اس کا ایک مستند ریکارڈ قرآن مجید خود ہے۔ ہم قیادت اور قیادت سازی سے متعلق جملہ امور میں اس سے راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

انسان چونکہ دنیا میں تنہا نہیں رہتا بلکہ وہ ہمیشہ سماج، گروہ یا پارٹی کی شکل میں رہتا ہے، اس لیے تنظیم کسی بھی قوم یا گروہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ہم کسی مستحکم اور پائیدار تنظیم کا تصور صحیح قیادت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر گروہ یا قوم میں کسی نہ کسی کی قیادت و سیادت لازماً پائی گئی ہے۔ خواہ وہ قیادت کتنی ہی ناقص یا غلط کیوں نہ رہی ہو۔ ہر انسان یا انسانی گروہ کسی نہ کسی کی پیروی اور اتباع لازماً کرتا آیا ہے۔ یہ اتباع یا تو قرآن کی اصطلاح میں ھدیٰ کی ہوگی یا ھویٰ یعنی محض خواہشات نفس کی ہوگی۔ قرآن صرف ایک اتباع کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ وہ صرف خدائے واحد کی اطاعت اور بندگی اختیار کرے، اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کا اتباع کرے، اور اس رسول کی راہ نمائی اور اس کی قیادت کو تسلیم کرے جو خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔

قرآن کی رو سے قیادت کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کو زندگی کی صحیح راہ پر لگانے کے لیے ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے۔ لوگوں کی ذہنی و فکری تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ حقیقت پسندانہ انداز میں لوگوں کی دشواریوں اور ان کی نفسیات کو سمجھا جائے اور حقائق کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی فکر کی جائے۔

حقیقی معنی میں قائد وہی ہے جو عام رجحانات اور عوام کی پسند و ناپسند کا حکمت کے ساتھ لحاظ رکھتے ہوئے انھیں حقیقی احساسات و جذبات اور سچی تمناؤں سے آشنا کرے۔ انھیں نیا ذوق و شوق دے کر ان کی زندگیوں کو ایک خاص سمت عطا کرے۔ اور اس سلسلہ میں ان کی ہر مرحلہ میں راہ نمائی کرتے ہوئے انھیں حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

قیادت کا اصل نشانہ

قرآن ہمیں جس قیادت سے روشناس کراتا ہے اس قیادت کے پیش نظر اصلاً تغیر اجتماعی ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک عظیم انقلاب ہوتا ہے جو لوگوں کے ذہنوں اور ان کی زندگیوں سب ہی کو بدل کر رکھ دے۔ لوگ اندھیروں سے نکل کر پوری روشنی میں آجائیں۔ پستیوں سے نکل کر بلندی حاصل کرلیں۔ ہر قسم کی تنگی تنگ دلی ہو یا تنگ نظری تعصب، ظلم و عصیان غرض ہر قسم کے معائب سے ان کی زندگیاں پاک ہو جائیں۔ زندگی کی وہ وسعتیں ان کے سامنے کھل کر آجائیں جس کا اندازہ عام انسان نہیں کر سکتا۔

یہ قیادت زندگی کے عام ڈھب یا شاکلہ (Structure) کو بدل دینا چاہتی ہے تاکہ مخلوق خدا کو ایک ایسی فضا میسر ہو سکے جو انسان کے اصل مقصد وجود کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو۔ ایسی بڑی تبدیلی گہرے فکر، وسیع النظری اور عظیم جدوجہد کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس کے لیے ایک طرف ایسا دل درکار ہے جو بندگان خدا کے غم میں بے چین ہو سکے۔ لوگوں کی نجات کی فکر ہمہ وقت جسے مضطرب رکھ سکے۔

یہ قیادت کسی وقت بھی قرآن کی راہ نمائی سے اپنے کو بے نیاز قرار نہیں دے سکتی۔ اور نہ یہ دین کے لیے محض کسی جز پر قانع ہو سکتی ہے۔ اس کے پیش نظر ہمیشہ پورا دین ہو گا۔ محض وقتی، عارضی منفعتیں یا جزوی مصالح یا شخصی مفاد اس قیادت کے پیش نظر نہیں ہو سکتا۔ اس کے پیش نظر خدا کا پورا دین اور اس کی اقامت ہوگی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دین کے کسی حصے کی بھی حقیقی خدمت اس کو کل دین سے الگ کر کے نہیں کی جاسکتی۔ کل سے الگ ہو کر جز کو کوئی معنویت باقی نہیں رہتی۔

حصول مقصد کے لیے اس قیادت کا اصل نشانہ انسان کا داخل یا باطن ہوتا ہے۔ باطن کی اصلاح کے بغیر ظاہر اور خارج کی اصلاح اور درستی ممکن نہیں ہوتی۔ جب تک انسان کا اندرون نہ بدلے خارج میں کسی تغیر کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ باطن کی اصلاح کے بغیر خارج کی درستی معتبر نہیں ہوتی۔

قرآنی قیادت کا اصل میدان انسان کی ذات کی اصلاح ہے۔ دوسری ساری اصلاحات اس کے تابع ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس قیادت کو خارجی احوال و کوائف سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور یہ ان سے صرف نظر کیے رہتی ہے۔ بلکہ کہنا یہ ہے کہ داخلی اصلاح اور باطن کی تربیت کے بغیر

خارجی انقلاب سودمند ثابت نہیں ہو سکتا۔کوئی انقلاب جب تک قوم کے اندرون کے انقلاب کا مظہر نہ ہو اسے استحکام حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ داخلی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر قوم خارجی انقلاب کی متحمل بھی نہیں ہوتی۔ انقلاب کے بعد قوم کو جس کردار کا ثبوت بہم پہنچانا چاہیے وہ اس سے قاصر رہتی ہے۔

اصل میں ظاہری اسباب سے آگے جب تک خدا پر نگاہ نہ ہو اور یہ زندگی جب تک آخرت تک وسیع نہ کر لی جائے' انسان کے اندر وہ بصیرت' وہ ظرف وتحمل اور صبرو استقامت کی وہ قوت پیدا نہیں ہو سکتی جس کا وہ اعلیٰ مقصد متقاضی ہے اور از روئے قرآن جس کا ہمیں حامل ہونا چاہیے۔

قائد کے اوصاف

جس قیادت کا تصور قرآن نے پیش کیا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ قائد کچھ مخصوص قسم کے اوصاف سے متصف ہو۔ یہاں چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ اسلامی قیادت کے لیے ضروری ہے کہ تقویٰ قائد کی زندگی کا اصل شعار ہو۔ وہ قیادت کے سلسلہ ہی میں نہیں بلکہ عام زندگی میں بھی تقویٰ کے تقاضوں کو کبھی فراموش نہ کرے۔ ہر معاملہ میں سب سے پہلے وہ یہ دیکھے کہ خدا کی مرضی اس کے بارے میں کیا ہے۔ خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے۔ اور خدا کے خوف سے کبھی بھی اس کا دل خالی نہ ہو۔

۲۔ وہ صبرو ضبط اور تحمل کا پیکر ہو' اور اس کے صبر کی اصل روح توکل علی اللہ ہو۔ کردار اور خاص طور سے قائدانہ کردار کے سلسلہ میں صبر کو غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ صبر کی اس ممتاز حیثیت کو قرآن نے کئی جگہ نمایاں کیا ہے۔ مثلاً وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (الدھر۷۶: ۱۲) "اور جو صبر انھوں نے اختیار کیا' اس کے صلہ میں انھیں جنت اور ریشم عطا کیا"۔

۳۔ صدق اور راست بازی بھی قائد کے کردار کا ایک اہم عنوان ہے۔ کسی شخص کا ایسا قابل اعتماد ہونا کہ ہر قسم کے حالات میں اس پر بھروسہ کیا جا سکے' اس کے سچے اور صادق ہونے کی دلیل ہے۔ جو شخص صادق اور سچا ثابت نہ ہو سکے' قیادت کے منصب کے لائق نہیں ہو سکتا۔ کسی کے صادق ہونے کا مفہوم قرآن کی رو سے یہ ہے کہ وہ باکردار ہو۔ اس پہلو سے اس کی سیرت میں کہیں ضعف نہ پایا جاتا ہو۔ صادقین وہ ہوتے ہیں جن کی پوری زندگی اس کی شہادت دیتی ہو۔ خدا کی بخشی ہوئی کسی امانت میں کسی خیانت کی ان سے توقع نہ کی جا سکے۔ اس سچائی اور راست بازی کا ذکر قرآن میں بڑے موثر انداز میں فرمایا گیا ہے۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۷۷) "اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں' تنگی اور خاص طور سے جسمانی تکالیف میں اور لڑائی کے اوقات

میں ثابت قدم رہیں، وہی لوگ ہیں جو راست باز ثابت ہوئے اور وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں"۔

۴۔ قائد کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی ہر قسم کے تضاد سے پاک ہو۔ اس کے یہاں ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کو جس معیار سے جانچنا چاہتا ہے اپنے لیے اس سے مختلف معیار رکھتا ہو۔ اس کے بارے میں یہ نہ کہا جا سکے: اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ (البقرہ ۲: ۴۴) "تم لوگوں کو نیکی اور وفاداری کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو"۔

اس کے برعکس اس کا کردار ایسا ہو کہ وہ کہہ سکے کہ اے قوم! وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ عَنْہُ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ (ہود ۱۱: ۸۸) "اور میں نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تمھیں روکتا ہوں خود تمھارے برخلاف ان کو کرنے لگوں۔ میں تو اپنے بس بھر صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ مجھے توفیق ملنا تو اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں"۔ اس کے یہاں زندگی کے مختلف مراحل اور مختلف حالات میں بھی تضاد نہ پایا جا سکتا ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کمزوری اور مجبوری کی حالت میں تو وہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے لیکن طاقت حاصل کرنے کے بعد جابر و تشدد دبن کر رہے۔

۵۔ اسلامی قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے جو ذرائع و وسائل اختیار کرے ان میں ظلم، حق تلفی، بے رحمی اور دجل و فریب کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ مقصد اور ذرائع و وسائل کے مابین ایسی ہم آہنگی ہونی چاہیے کہ دونوں ایک محسوس ہونے لگیں۔

۶۔ اسلام کا قائد بے لوث خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی مادہ پرستی اور خود غرضی سے بالکل پاک ہو۔ اس کی زبان پر یہ فقرہ ہو: وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعرا ۲۶: ۱۰۹) "میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو بس سارے جہاں کے رب کے ذمہ ہے"۔

۷۔ قائد کو سراپا دعوت و تحریک ہونا چاہیے۔ وہ فنافی المقصد ہو۔ قیادت اس کی زندگی کا کوئی ضمیمہ نہیں ہو سکتا۔ قیادت عین اس کی زندگی ہوتی ہے اور اس کی زندگی عین قیادت ہوتی ہے۔

۸۔ قائد کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنے جذبات پر پورا قابو حاصل ہو۔ وہ حقائق سے گریز نہ کرے۔ فہم و تفقہ سے کام لے۔ فہم و بصیرت کے بغیر قائد قیادت کا فرض کماحقہ ادا نہیں کر سکتا۔ فقہ درحقیقت حاصل شدہ تجربہ و علم کے ذریعہ سے اس علم کو پالینے کی کوشش کا نام ہے جو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی نے فقہ کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: الفقہ ھو التوکل الی علم غائب بعلم شاھد "فقہ حقیقت پر موجود علم کے ذریعہ سے اس علم تک پہنچنے کا نام ہے جو موجود و حاصل نہ ہو"۔ امام یا قائد کے بارے میں علامہ فراہیؒ نے لکھا ہے: "قائد وہ ہے جو عصر حاضر کے مصالح سے واقف ہو، پس وہ کام میں لگ جاتا ہے اور فرصت کو غنیمت جانتا ہے"۔

ان کے نزدیک عمل خیر بھی اگر بے موقع ہو تو وہ بے نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: قائد کے لیے لازمی ہے کہ اسے بصیرت زمانی حاصل ہو۔ زمانے کے تقاضوں کو سمجھنا قائد کے لیے لازم ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں: وعلی العاقل ان یکون بصیرا بزمانہ (صحیح ابن حبان)

۹۔ قائد کو سخت گیر اور انتہاپسند نہیں ہونا چاہیے لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ وہ مصالح پر اصولوں اور اقدار حیات کو قربان کرنے لگ جائے۔ قائد کو اپنے اندر ایسی صلاحیت اور خوبی پیدا کرنی چاہیے کہ وہ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکے۔

۱۰۔ قائد کو لوگوں کا ہمدرد، خیرخواہ اور غمگسار ہونا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن میں آیا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ ۹: ۱۲۸) "تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آگیا ہے۔ تمھارا زحمت میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ اسے تو تمھاری طمع ہے۔ مومنین کے لیے وہ انتہائی شفیق، نہایت رحم والا ہے"۔ یہی صفات قائد کے اندر بھی موجود ہونی چاہییں کیونکہ اس کے بغیر صحیح معنی میں قیادت کا فرض انجام دینا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعرا ۲۶: ۲۱۵) "جن اہل ایمان نے تمھاری پیروی اختیار کی ہے ان کے لیے اپنے بازو جھکائے رکھو"۔

۱۱۔ اس کی پالیسی دفع السیئۃ بالحسنۃ (برائی کو بھلائی سے دور کرنا) کی ہوتی ہے۔ عام زندگی میں حتی الامکان وہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ابدی فلاح کی راہ دکھانے وہ کھڑا ہوتا ہے۔ اگر اس کی زندگی اوصاف عظمت سے خالی ہوگی تو وہ دنیا میں یہ عظیم کام کیونکر انجام دے سکتا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کی دعوت اصلاً دارالسلام کی طرف ہے جبکہ عام طور پر لوگوں کی دعوتیں دارالبوار کی طرف ہوتی ہیں۔

۱۲۔ استقلال و استقامت قیادت کے لیے لازمی شرط ہے۔ مستقل طور پر کام کرنے کا حوصلہ اگر قائد میں نہیں ہے تو پھر قیادت جیسے عظیم منصب کا وہ ہرگز اہل نہیں ہو سکتا۔

ایمان درحقیقت خدا کی عظمت و برتری کے شعور و احساس کا نام ہے۔ خدا کی عظمت کا یہ شعور خود آدمی کو بھی عظمت عطا کرتا ہے اور اس عظمت و شرافت کا احساس آدمی کو استقلال و استقامت کی اس قوت سے بہرہ مند کرتا ہے جس کا غیر مومن تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قیادت سازی کا مسئلہ حقیقت پر کردار سازی کا مسئلہ ہے۔ قرآن کی رو سے قیادت کا تعلق دراصل انسانیت کی ہمہ جہتی راہ نمائی اور اس کی بہی خواہی اور دردمندی سے ہے۔ اس خدمت کے لیے جس طرح کے انسان درکار ہیں وہ عام طور پر دکھائی نہیں دیتے۔ یہ وہ عظیم کام ہے جس کے لیے

انبیا و رسل مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ سلسلہ نبوت کے خاتمہ کے بعد یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں کار نبوت سے مناسبت اور اس سے قلبی وابستگی ہو' اور جو ہر طرح کے تعصب اور تنگ نظری سے اپنے آپ کو آزاد رکھ کر بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے سرگرم عمل ہونے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ انھیں بیک وقت کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثلاً لوگوں میں ذہنی و فکری انقلاب لانے کا مسئلہ' لوگوں کی صحیح نہج پر تعلیم و تربیت کا مسئلہ اور پھر حالت کے نشیب و فراز میں لوگوں کی اور بالخصوص پیروان حق کی صحیح راہ نمائی کا مسئلہ' جس کے لیے اخلاص ہی نہیں فہم و تفقہ بھی درکار ہے۔

قیادت سازی کے سلسلہ میں سب سے بڑا مسئلہ ایسے افراد کے وجود میں لانے کا مسئلہ ہے جو صحیح معنی میں حق کے پرستار اور خدا کے طالب ہوں' جو اس بات کا عزم کر سکیں کہ وہ کسی ایسی قیادت کو حقیقی قیادت تسلیم نہیں کر سکتے اور نہ اس پر قانع ہو سکتے ہیں جو انبیا علیہم السلام کی قیادت سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ ایسے افراد یا گروہ کو وجود میں لانے کے لیے صرف علمی قسم کا لٹریچر کافی نہ ہو گا' بلکہ اس کے لیے ایسے لٹریچر کی ضرورت ہو گی جو ہماری بے حسی کو ختم کر سکے' جس میں روح خفتہ کو بیدار کرنے کی قوت ہو۔ جو ہمارے اندر وہ سوز و تڑپ اور وہ بے قراری پیدا کر سکے جو راہ حق میں مطلوب ہوا کرتی ہے۔ ضرورت ایسے لٹریچر اور مربی کی ہے جو ہماری سیرتوں کو پاکیزہ بنا سکیں' اور جو یہ راز ہم پر کھول سکیں کہ دین اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک کردار اور ایک کریکٹر ہے' اور جو شخص کردار سے محروم ہے وہ دین کے کسی کام کا نہیں ہو سکتا۔ مستی کردار خود ایک نقد انعام ہے جو دوسرے دنیوی انعامات سے آدمی کو بے نیاز بنا دیتی ہے۔

اگر ہمارے اندر کسی قسم کا غرور و کبر پایا جاتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم جھوٹے ہیں۔ بڑائی اور عظمت کی ہوا تک ہمیں نہیں لگ سکی ہے۔ ہم دوسروں کے الفاظ کی چوٹ کو اگر نہ سہہ سکیں اور اپنی غلطیوں کا برملا اعتراف کرنے کی ہمت اگر ہمارے اندر نہیں ہے تو دین کی خدمت تو الگ' ہم اپنے ذاتی وقار و عزت کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ غرور و پندار ایسا قبح ہے جس سے آدمی کی ساری خوبیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔

اخبارِ امت

جنوبی افریقہ: قادیانیت کے بارے میں عدالت عالیہ کا فیصلہ

پروفیسر خورشید احمد و ڈاکٹر سید حبیب الحق ندوی

پاکستان میں قومی اسمبلی اور سینیٹ نے ۱۹۷۴ء میں ایک تاریخی دستوری ترمیم کے ذریعہ' جو متفقہ طور پر منظور ہوئی' مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام پیرووں کو خواہ ان کا تعلق احمدی قادیانی گروہ سے ہو یا احمدی لاہوری گروہ سے' اسلام کے دائرہ سے خارج اور ایک مستقل بذات مذہب قرار دیا۔ اس ترمیم کے نتیجہ میں "مسلمان" کی ایک ایسی واضح اور دستوری تعریف متعین ہوگئی جس کی روشنی میں ساری دنیا میں مسلمان اور قادیانی دو الگ امتیں قرار پائے۔ امت مسلمہ کے اس اجماعی فیصلہ کو ساری دنیا میں تسلیم کر لیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی اس پر مہرِ تصدیق ثبت کی۔ اس طرح ایک ایسے فتنہ کی صحیح پوزیشن کا تعین ہوگیا جو ایک صدی سے امت مسلمہ کو برطانوی سامراج کی اسکیم کے تحت' منتشر کرنے اور اس کے عقیدہ اور عمل میں دراڑیں ڈالنے میں مصروف تھا۔

پاکستان اور عالم اسلام میں اس ہزیمت کے بعد قادیانی گروہ نے اپنی سرگرمیاں امریکہ' یورپ اور افریقہ کے ان ممالک میں تیز تر کر دیں جہاں عیسائی یا سیکولر حکومتیں ان کو تحفظ فراہم کر رہی تھیں۔ جنوبی افریقہ میں احمدیوں نے مسلمانوں کو چیلنج کیا' اور کیپ ٹاؤن کی عدالت عالیہ میں اپنا یہ "حق" منوانے کی کوشش کی کہ ان کو "مسلمان" تسلیم کیا جائے اور مسلمانوں کی مساجد میں عبادت اور ان کے قبرستانوں میں دفن کا "حق" دلوایا جائے۔ یہ مقدمہ ۱۹۸۲ء میں دائر کیا گیا اور اس کا آخری فیصلہ اب اگست ۱۹۹۵ء میں ہوا ہے۔ الحمدللہ جنوبی افریقہ کی اعلیٰ ترین عدالت کے فل بنچ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ کون مسلمان ہے اور کون مسلمان نہیں' اس امر کا فیصلہ کرنے کے مجاز خود مسلمان اور ان کے اعلیٰ ترین دینی اور قانونی ادارے ہیں اور ایک سیکولر حکومت کو اس بات کو تسلیم کرنا چاہیے جو مسلمان خود طے کرتے ہیں اور ان پر اپنی کسی تعبیر کو مسلط نہیں کرنا چاہیے۔

کیپ ٹاؤن میں احمدیوں کی ایک نہایت قلیل تعداد مقیم ہے۔ اس گروہ کے چند افراد نے پہلے تو زبردستی وہاں کی مساجد میں داخل ہونے کی کوشش کی جسے مسلمان کمیونٹی نے سخت ناپسند کیا۔ پھر انھوں

نے کیپ ٹاؤن کی عدالت عالیہ میں ایک مقدمہ مسلم جوڈیشیل کونسل (MJC) جس نے احمدیوں کے غیرمسلم ہونے کا اعلان کیا تھا اور جس میں کیپ ٹاؤن کی تمام ہی مساجد کے امام اور دوسرے علما شریک ہیں' کے خلاف دائر کرایا' اور بنیادی حقوق کا سہارا لے کر مطالبہ کیا کہ عدالت ان کو مساجد میں داخلہ' مدارس سے استفادہ اور مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کے حقوق دلائے۔ مقدمہ نے صرف جنوبی افریقہ ہی نہیں پورے براعظم افریقہ میں اہمیت اختیار کر لی۔ جنوبی افریقہ کی تمام مسلمان تنظیموں نے' ہر اختلاف سے صرف نظر کر کے' اس مقدمہ میں مسلمانوں کے موقف کو یک جان اور یک زبان ہو کر پیش کیا' اور عالم اسلام سے بھی مدد کی درخواست کی۔ جامع الازھر نے ایک خاص "فتویٰ" جاری کیا' اور پاکستان نے ایک وفد مولانا ظفر احمد انصاری مرحوم کی قیادت میں بھیجا جس نے مسلم جوڈیشل کونسل کی مدد کی۔ جنوبی افریقہ کے مشہور وکیل اسماعیل محمد اور اٹارنی احمد چوہان نے بڑی قابلیت کے ساتھ مقدمہ کی پیروی کی۔ پاکستان کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بطور گواہ اور علمی معاون کے دو ہفتے سے زیادہ عدالت کے سامنے مسلمانوں کا موقف پیش کیا۔ جسٹس محمد افضل چیمہ، جسٹس محمد تقی عثمانی' مولانا محمد یوسف لدھیانوی' ڈاکٹر حبیب الحق ندوی اور تحریک ختم نبوت کے علما نے ہر ممکن معاونت کی۔ مجھے بھی اس مقدمہ کے سلسلہ میں دو بار شریک عدالت ہونے کا موقع ملا۔

کیپ ٹاؤن کی سپریم کورٹ میں مقدمہ کی سماعت دو محور پر گردش کرتی رہی۔ اول یہ کہ آیا احمدی اور لاہوری مسلم ہیں یا مرتد! دوسرے یہ کہ آیا سیکولر عدالت کو کسی مذہبی کمیونٹی کے عقائد کے بارے میں فیصلہ صادر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ جج برمن (Berman) نے بڑی جسارت کے ساتھ یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ سیکولر (secular) عدالت قطعی مجاز ہے کہ وہ مذہبی عقائد سے متعلق مسائل میں بھی اپنے فیصلے صادر کرے' بلکہ ان معاملات میں سیکولر عدالت زیادہ باصلاحیت (competent) ہے' کیونکہ اس کا فیصلہ خالص انصاف پر مبنی ہو گا اور غیر جانبدارانہ بھی۔ ایم۔ جے۔ سی نے عدالت کے فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مقدمہ کو مشرک عدالت سے خارج کرنے کی درخواست کی۔ مقدمہ کی سماعت ثانیہ نومبر ۱۹۸۵ء میں شروع ہوئی۔ ۲ نومبر ۱۹۸۵ کو جج ولیم نے فیصلہ صادر کر دیا کہ احمدی لاہوری چونکہ مسلمان ہیں' لہٰذا ان کے مسلم حقوق بحال کیے جائیں' مساجد میں داخلہ اور قبرستان میں تجہیز و تکفین کی اجازت دی جائے۔

مسلمانوں نے عدالت کے فیصلہ کو مسترد کر دیا اور اعلان کر دیا کہ لاہوری احمدی بھی قادیانیوں کی طرح غیر مسلم تھے۔ ایک کافر جج دوسرے کافر کو مسلم قرار نہیں دے سکتا ہے۔ ایم۔ جے۔ سی نے تمام مساجد کے ائمہ اور اراکین کمیٹی کو ہدایت جاری کر دی کہ وہ کسی بھی قادیانی احمدی لاہوری یا ان کے حامی اور طرفداروں کو مساجد میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں اور مسلم قبرستان میں ان کی تدفین

کی مزاحمت کریں۔ یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ ہر مسلمان عدالت کی حکم عدولی کی سزا بھگتنے اور جیل جانے کے لیے تیار ہے۔ جج ولیم کے فیصلہ کی روشنی میں قادیانی اور "لاہوری احمدی" جسارت کے ساتھ مساجد میں داخل ہونے لگے۔ اس سے فرقہ وارانہ کشمکش میں اضافہ ہوا اور تصادم کے خطرات بڑھنے لگے۔ مساجد اور مقابر میں ان کی مداخلت سے شہر میں فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

مسلم جوڈیشیل کونسل نے ملک کی سب سے بڑی عدالت میں جج برمن اور ولیم کے فیصلوں کے خلاف اپیل دائر کی۔ یہ مقدمہ (Case, No,. 201 / ۱۹۹۲) عدالت عالیہ کے بنچ میں پانچ عالی ججوں کے سامنے پیش ہوا اور اس کی سماعت ۲۱' ۲۲' ۲۴' ۲۵' ۲۸' اور ۲۹ اگست ۱۹۹۵ کو جاری رہی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۵ کو ججوں نے ۱۷۱ صفحات پر مشتمل اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور صفحات ۵۴ اور ۱۵۵ پر سابق ججوں کے فیصلوں کو مسترد کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ:

کسی کمیونٹی کے مذہبی عقائد کے بارے میں فیصلہ خود اس کمیونٹی کے علما اور ماہرین عقائد ہی' جو اس عقیدہ کے محافظ' امین اور مجاور ہیں' کر سکتے ہیں۔ صرف انھی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ فیصلہ صادر کریں کہ کس فرد کے عقائد' مذہب کے تسلیم شدہ عقائد کے مطابق ہیں اور کس فرد کے عقائد اس کے مخالف ہیں۔ اس حق کو کوئی عدالت یا فرقہ سلب نہیں کر سکتا۔ سیکولر یا دنیاوی عدالت کے لیے غیر موزوں ہے کہ وہ فیصلہ صادر کرے کہ کون مسلمان ہے اور کون مرتد ہے۔ کسی فرد کو مذہب کے دائرہ سے خارج کرنے (excommunicate) کرنے کا حق بھی علما ہی کو حاصل ہے۔

جنوبی افریقہ کی عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ اب ایک عالمی نظیر (precedent) ہے۔ دنیا کی کسی عدالت میں قادیانی فرقہ یا احمدی اور لاہوری فرقہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ کوئی سیکولر عدالت ان فرقوں کو حق تحفظ دینے کی اہل نہیں۔ ان کے بارے میں حتمی فیصلہ امت مسلمہ کے علما اور مذہب کے ماہرین ہی کر سکتے ہیں۔ اگر وہ انھیں غیر مسلم یا مرتد قرار دے چکے ہیں تو کوئی سیکولر عدالت انھیں مسلم قرار نہیں دے سکتی ہے۔ قادیانی جو عام طور پر سیکولر عدالتوں کا سہارا لے کر اپنے حقوق کا تحفظ حاصل کیا کرتے تھے' اب وہ اس فیصلہ کن نظیر کی روشنی میں اس سے محروم ہو چکے ہیں۔ قادیانی تحریک اب جنوبی افریقہ میں درگور ہو چکی ہے۔ تحریک ارتداد کے کفن میں یہ فیصلہ آخری کیل تھی۔

بوسنیا: نیا معاہدہ اور اس کے مضمرات

محمد الیاس انصاری

۶ نومبر ۱۹۹۲ کو سربیا نے بوسنیا ہرسیگووینا پر ایک تباہ کن اور ہولناک جنگ مسلط کر دی' اور بوسنیا

کے عوام کو نسل کشی اور نسلی تطہیر کا نشانہ بنایا گیا۔ مغربی طاقتوں نے دیدہ و دانستہ بوسنیا کی مسلمان ریاست کو غیر موثر بنانے کے لیے سربوں کے ہاتھ مضبوط کیے، اور اسلحہ پر پابندی عائد کر کے بوسنیا کے ہاتھ باندھے رکھے تاکہ وہ اپنا دفاع نہ کر سکے۔ برطانیہ اور فرانس امن مذاکرات کا ڈھونگ رچا کر سربوں کو ان مقاصد اور عزائم کی تکمیل کے لیے، جو مغربی طاقتوں کے اپنے ہی مقاصد تھے، وقت دیتے رہے۔ انھوں نے پانچ مختلف امن منصوبے پیش کیے۔ نومبر ۱۹۹۵ کے آغاز میں یہ کام امریکہ نے سنبھال لیا۔ اور ایک اور (چھٹا) امن منصوبہ پیش کر دیا۔ یہ منصوبہ پہلے پانچ منصوبوں سے مختلف نہ تھا۔ یہ بھی بوسنیا کی تقسیم اور سربوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ زمین دینے پر مشتمل تھا۔ لیکن اس نئے منصوبے پر ۲۱ نومبر کو ڈے ٹن (Daytan) کے مقام پر تینوں فریقوں نے دستخط کر دیے۔ جہاں یورپ ناکام ہوا، وہاں امریکہ کے کامیاب ہونے کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ ایک سپرپاور ہے، اور جنگ کے درماندہ مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے میں وہ زیادہ کامیاب رہا۔

اس منصوبے کے تحت:

(۱) بوسنیائی ریاست دو اکائیوں پر مشتمل ہوگی: ایک ۵۱ فیصد علاقے پر مشتمل ۶۹ فیصد (۴۴ فیصد مسلمان، ۱۷ فیصد کروٹ اور ۸ فیصد دیگر غیر سرب لوگوں کی) آبادی کے لیے مسلم کروٹ فیڈریشن اور دوسری ۳۱ فیصد سربوں کے لیے، بقیہ ۴۹ فیصد رقبے پر سرب جمہوریہ۔ اسے دریائے ساوا کے ذریعے بحیرۂ ایڈریاٹک تک رسائی بھی دی گئی ہے۔ (۲) بوسنیا ہرزیگووینا کو اپنی موجودہ سرحدوں میں بین الاقوامی طور پر ایک ملک تسلیم تو کیا گیا ہے، مگر عملاً یہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے، کیونکہ سربیا کے لیے مرکز کے فیصلے ماننا ضروری نہیں، اور صدارتی کونسل کی صدارت بھی دونوں کے درمیان گردش کرے گی۔ (۳) اگرچہ دارالحکومت سرائیوو کو مسلم کروٹ فیڈریشن کے تحت متحد رکھا گیا ہے، تاہم سربوں کو کچھ اضلاع میں مقامی اداروں پر انتظامی اختیار حاصل رہے گا۔ (۴) انتخابات میں، جو ۱۹۹۶ میں کسی وقت بین الاقوامی نگرانی میں کرائے جائیں گے، رائے دہندگان کو اپنے اصل رہائشی علاقوں میں ووٹ دینے کا حق تسلیم کیا گیا ہے، مگر لاکھوں مسلمان جو گھروں سے نکالے گئے ہیں ان کے وہاں پہنچنے کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی۔ اس لیے ان کو اپنے گھروں کو واپس لوٹنے کی اجازت بے معنی ہے۔ (۵) جن جنگی مجرموں پر الزام ثابت ہو جائے گا انھیں انتخابات میں حصہ لینے یا فوج میں خدمات سرانجام دینے سے روک دیا جائے گا (مگر کب اور کس طرح ثابت ہوگا، یہ طے نہیں)۔ (۶) نیٹو کی کمان میں ۶۰ ہزار امن فوجی فراہم کیے جائیں گے، جو بوسنیا کی سرحدوں کا دفاع کرنے میں مدد دیں گے۔ (۷) یوگوسلاویہ پر عائد اقتصادی پابندیاں اٹھالی جائیں گی جس کا فائدہ فوراً ہوگا۔ اسی طرح بوسنیا پر عائد اسلحی پابندیاں بھی اٹھالی جائیں گی، مگر اس کا فائدہ پہنچنا ممکن نہیں۔ اسلحہ کون فراہم

کرے گا' اور اس میں کروٹ برابر کے شریک ہوں گے۔

معاہدہ کیوں کر ہوا؟ سرب اور کروٹ دونوں نے بوسنیا میں نسلی طور پر "خالص" اپنی اپنی ریاستوں کے مکروہ عزائم بڑی حد تک مکمل کر لیے تھے۔ کروشیا نے تقریباً اپنا پورا علاقہ حاصل کر لیا ہے' اور بوسنیا میں مسلمانوں کے برابر وزن بھی ۲۱ فی صد سربوں کو بھی ۴۹ فی صد علاقے پر قبضہ حاصل رہے گا۔

یورپ کے بجائے امریکہ کیوں کامیاب ہوا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی طرح امریکہ اسلام دشمنی میں کچھ کم نہیں۔ دونوں کے مقاصد حاصل ہو چکے تھے' امریکہ مسلمانوں کو کروٹوں کے ساتھ نتھی کر چکا تھا' صدر کلنٹن کا انتخاب سر پر ہے' امریکہ کے پاس طاقت بھی ہے' اپنے عالمی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے حل کرنا ضروری تھا' بوسنیا میں دنیا کے مختلف ممالک سے مجاہدین بھی اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے کے لیے پہنچے ہوئے تھے۔ جن کو نکالنا مغربی مسیحی دنیا کی حد متعصبانہ اور ظالمانہ روش نے مسلمانان بوسنیا میں نفرت کی چنگاری بھڑکا دی تھی' اور پھر ان میں اپنے ملت اسلامیہ کا ایک جزو ہونے کا احساس پیدا ہو گیا تھا جس سے بوسنیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ شروع ہو گئی تھی۔ یہ معاملہ یورپ کی نسبت امریکہ کو زیادہ خوفزدہ کر دینے والا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے معاہدہ کروا ڈالا۔

معاہدے کے نقائص : (۱) مسلمان مہاجرین کا اپنے گھروں کو واپس جانے کا حق ایک کاغذی کارروائی سے زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ (۲) بوسنیائی سربوں اور مسلم کروٹ اتحادیوں کو عسکری اعتبار سے ایک مقام پر لانے کا طے کیا گیا ہے۔ مگر اس کی قابل عمل صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کو عسکری اعتبار سے سربوں کے ہم پلہ بنایا جائے۔ امریکہ نے یہ کہا ہے کہ وہ بوسنیا کی فوج کو تربیت دے گا۔ (۳) ایک ایسے خطے میں آزادانہ انتخابات ممکن نہیں جہاں بڑی بڑی آبادیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ (۴) سرب رہنما اعلان کر رہے ہیں کہ وہ سرائیوو کے سرب اضلاع کو مسلم کروٹ فیڈریشن کے حوالے نہیں کریں گے' خواہ خون کے دریا بہہ جائیں۔ منصوبے کا یہ حصہ نافذ ہونا محال ہے۔

وزیراعظم بوسنیا حارث سلاجچ نے اس معاہدے کے بارے میں کہا ہے کہ: "ہمیں کاغذوں پر تو امن نصیب ہو گیا ہے مگر اصل ضرورت اس پر عمل درآمد کی ہے"۔ بوسنیائی صدر علی عزت بیگووچ نے کہا ہے کہ "ہمارے مطالبات میں سے ۸۰ سے ۹۰ فی صد ہمیں مل گیا ہے"۔ مغرب کے اتنے دھوکے کے بعد اگر مسلمان واقعی یہی کہتے ہیں تو اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا' سربوں کا

ردعمل حسب سابق معاندانہ اور جارحانہ ہے حالانکہ جارح اور قابض ' سرب ہیں ۔کروشیا کے حکام اس معاہدہ پر سب سے زیادہ خوش ہیں ۔اس امن معاہدے میں کامیاب ہونے والے وہ لوگ ہیں جو قتل عام ٔنسلی صفائی اور تباہی و بربادی کے سنگین جرائم کے مرتکب ہیں ۔شکست خوردہ وہ ہیں جو عوام کو امن اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو ایک جگہ اکٹھا رکھنا چاہتے ہیں ۔سابق یوگوسلاویہ کے صدر ملاسوچ کو مغرب نے جنگی مجرم قرار دیا تھا' مگر اب اسے داعی امن کے طور پر پیش کیا جارہا ہے ۔ بوسنیائی سرب رہنما کراچ کو یہی مشورہ دیا جارہا ہے کہ وہ اس منصوبے کو تسلیم کرلے تو اسے جنگی مجرموں کی فہرست سے نکالا جاسکتا ہے ۔ حقیقتاً مغرب کی پالیسی ہر جگہ یہی رہی ہے کہ وہ ظالموں کی خفیہ یا اعلانیہ اس قدر حمایت کرتا ہے کہ مظلوم تنگ آکر ہر اس حل کو قبول کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں جس کا وہ عام حالات میں تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ۔پھر ظالموں کو امن پسند ہیرو بناکر پیش کر دیا جاتا ہے ۔

مثلاً ' یاسر عرفات کل تک مغرب کی نظر میں امن کا دشمن اور دہشت گرد تھا ۔مگر جب فلسطین میں حماس نے زور پکڑا تو یاسر عرفات کو ہیرو بناکر مقبوضہ فلسطین کا محض ۴ فی صد علاقہ وہ بھی جزوی طور پر خود مختار حیثیت میں ' حوالے کر دیا گیا اور حماس کو دہشت گرد قرار دے دیا ۔افغان پہلے مجاہد اور اب دہشت گرد قرار پائے ۔صدام حسین جب تک ایران کے خلاف جارحیت کرتا رہا اس وقت تک اس کی حمایت جاری رہی مگر پھر کویت پر چڑھائی کرواکے اسے ہٹلر قرار دے دیا گیا ۔

امریکہ نے اپنی فوجیں بھیجنے کو بوسنیا کی طرف سے اس وعدے کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ وہ ان مسلم مجاہدین کو بوسنیا سے نکال دے گا جو مظلوموں کی مدد کو دنیا کے مختلف خطوں سے آئے تھے ۔ امریکہ یہ قیمت تو وصول کرلے گا' پھر امن خواہ قائم نہ ہو ۔

اس معاہدے کے ذریعے سے ظلم و ستم 'قتل و غارت گری 'نسل کشی اور نسلی تطہیر کو مغربی دنیا نے سند جواز عطا کر دی ہے ۔وہ علاقے جو جنگ سے قبل بھاری مسلم اکثریتی شہر تھے ' ان پر سربوں کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا ہے ۔ ۲ لاکھ نہتے اور معصوم و بے گناہ شہریوں کے قتل عام کے باوجود سربوں کو اس دھرتی سے نوازا جارہا ہے جہاں انھوں نے یہ قیامت ڈھائی ۔ سربوں کو ۸۰ ہزار مسلم خواتین کی عصمت دری کا انعام دیا جارہا ہے ---- اس بنیاد پر کہ اس کے بغیر امن کا قیام ممکن نہیں ۔

بوسنیا میں جنگ کبھی نہیں رکے گی ۔محض سرب ہی جنگ کو دوبارہ شروع نہیں کریں گے بلکہ وہ کروٹ بھی جو اس وقت بظاہر مسلمانوں کے اتحادی ہیں 'جنگ دوبارہ چھیڑیں گے ۔

اسلام اور مغرب : مکالمے کی ضرورت

جوسی ڈافیس

''سیکولر حکومتیں اور اسلامی تحریکیں'' کے عنوان سے ہفت روزہ المجتمع کویت اور واشنگٹن کے یونائیٹڈ انسٹی ٹیوٹ آف اسٹڈی اینڈ ریسرچ کے اشتراک سے ایک سیمینار میں امریکہ کے قومی سلامتی کے ادارے کی استاد' صحافی' اور محقق جوسی ڈافیس نے حسب ذیل لیکچر دیا۔

میں گذشتہ تین سال سے مسلمان عورتوں اور ان کے بارے میں مغرب میں پائے جانے والی آرا پر کام کر رہی ہوں۔ اسلام کے بارے میں مغرب کی غلط فہمیوں کی حقیقت جاننے کے لیے میں نے کئی اسلامی ممالک کا دورہ کیا' اور وہاں کی دینی تحریکوں کے قائدین سے تبادلہ خیال کیا۔ میرے اس کام کی بنیاد مغرب کا وہ پروپیگنڈا بنی' جو مسلمان خواتین کے بارے میں غلط معلومات پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں' میں نے مسلمان خواتین سے بعض بڑے ہی ترش و تیز قسم کے سوالات پوچھے' مگر انھوں نے بڑے تحمل کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں جامع اور تسلی بخش جواب دیے۔

اسلام کے بارے میں امریکیوں کی لاعلمی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی مسلمانوں کی کمیٹی نے ایک سروے کیا' تو ۷۰ فی صد افراد نے کئی سوالوں کے جواب یہ کہہ کر نہیں دیے کہ ''انھیں اسلام کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں''۔

میں امریکہ کے سیاسی لوگوں سے گفتگو کے دوران ان سوالات کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں کہ کیا اسلامی تنظیموں اور سیکولر قوتوں میں جنگ ناگزیر ہے' کیا امریکہ اور مغرب' اسلامی تحریک کو دہشت گرد سمجھتے ہیں' اور کیا تمام اسلامی تحریکیں عسکریت پسند ہیں؟ پھر اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی اس قسم کے سوالات زیر بحث آتے ہیں۔ ان ملاقاتوں میں درج ذیل کلیے سامنے آتے ہیں:

۱۔ اسلامی ممالک میں جمہوریت کی پیش قدمی اور ترقی کے نتیجے میں امریکہ کو زیادہ فائدہ ہے۔

۲۔ اسلامی تنظیمیں اس وقت تشدد پسندی کی راہ پر چل نکلتی ہیں' جب ان پر' پر امن سیاسی ماحول میں کام کرنے کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر یہ قوت کے ذریعے حکومتیں جڑ سے

اکھاڑنے کی کوشش کرتی ہیں۔ میرے نزدیک اس کی مثال مصر اور الجزائر ہیں، جہاں کی حکومتوں نے ان پر پُرامن سیاست کے تمام راستے بند کر دیے ہیں، تو پھر وہ تشدد پر مجبور ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس اردن اور پاکستان میں، جہاں وہ سیاسی میدان میں اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں بدعنوانیوں سے اجتناب کرتی ہیں، اپنی شکست کو بھی کھلے دل سے تسلیم کرتی ہیں۔

ان اسلامی تحریکوں کے متعلق امریکہ کو اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ وہ اپنی حکومتوں کے خلاف کیوں برسرپیکار ہیں، ان کی حکومتوں کے ساتھ لڑائی کی وجہ بالعموم یہ ہوتی ہے کہ ان کے حکمران آمر (ڈکٹیٹر) ہوتے ہیں، حقیقی جمہوریت کو نہیں مانتے ہیں اور حکومت اور ملک و دولت کو اپنی جائیداد سمجھتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف عوام فاقوں سے مر رہے ہوتے ہیں اور حکومت عیاشیوں میں مشغول ہوتی ہے۔ اس صورت میں جب وہاں کے مسلمان کوئی جوابی کارروائی کرتے ہیں تو اس میں وہاں کی حکومت بھی برابر کی مجرم ہوتی ہے۔ میں یہ بات امریکی سیاست دانوں تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ اسلام کو مغرب سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ یہ اسلامی تحریکیں اپنے اندر بڑے ذہین اور قابل افراد رکھتی ہیں جو حکومت کو صحیح طریقے پر چلانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، غربت کا علاج کر سکتے ہیں، لیکن مغرب ان حقائق سے لاعلم ہے۔

اگر آپ راشد الغنوشی (تیونس کی اسلامی تحریک) کا تذکرہ مغرب کے ان لوگوں سے کریں جنھوں نے نہ اسے پڑھا ہے اور نہ سنا ہے، تو وہ کہیں گے کہ آپ غلط کہتے ہیں، وہ تو تشدد پسند ہے اور یہی اس کی دعوت کا مرکز و محور ہے۔ یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ بے شک غنوشی لادین نظام کو اپنی آنکھوں سے ختم ہوتا دیکھنا چاہتا ہے، لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو قتل کرنے کے لیے، اپنے لوگوں کو سڑکوں پر لا رہے ہیں۔

اسی طرح میں امریکی ارباب اختیار کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی دلانا چاہتی ہوں کہ مسلمان بھی اس وقت عورت کے حقوق اور مسلمانوں کے ساتھ مغرب کے تعلقات کے موضوعات پر بڑے مطالعات کر رہے ہیں۔ میں نے انھیں یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ عورت کے حقوق کے لیے اسلامی تحریکیں بھی بھرپور آواز بلند کر رہی ہیں۔

میں مسلمانوں کے نام کے ساتھ "بنیاد پرستی" کی مغربی اصطلاح پسند نہیں کرتی کیونکہ اس کی وجہ سے لوگوں کے ذہن میں مسلمانوں کے متعلق غلط تصور آتا ہے اور یہ اسلامی تحریکوں کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔ بعض ایسی تنظیمیں ہیں جو حکومتوں کو گرانے کے لیے متشددانہ کارروائیاں کرتی ہیں، لیکن اکثر اسلامی تحریکیں اس رویے کی مخالف ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت ایک حقیقی اسلامی اور مثالی معاشرتی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ ان کی پرامن کوششوں کو طاقت کے بل پر کچل دینا بالکل غلط ہے جیسا کہ مصر

اور الجزائر میں ہو رہا ہے۔ الزبتھ نے اپنی کتاب ''اسلام اور انسانی حقوق'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ''الجزائر' تیونس' لیبیا اور دیگر اسلامی ممالک میں اسلام ہی بد ترین سول اور فوجی آمریت کی حکومتوں کا حقیقی سیاسی مخالف ہے''۔

اسلامی تحریکوں کے مطالعے سے میں اس حقیقت تک پہنچی ہوں کہ جو حکومتیں اسلامی تحریکوں کا قلع قمع کرنا چاہتی ہیں اور ان پر پابندیاں عائد کرتی ہیں' انھیں مسلسل سیاسی بدامنی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسلامی ممالک میں حقیقی ٹکر حکومتوں اور اسلام پسند لوگوں کے درمیان ہے' جو فحاشی و عریانی کے خلاف ہیں اور عوام کی اکثریت ان کا ساتھ دے گی۔ اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے امریکی ارباب اختیار کو چاہیے کہ وہ جمہوری روایات کی پاسداری کرتے ہوئے جمہوریت کا ساتھ دے کر آمریت کی مخالفت کریں۔ اسلامی تحریکوں سے انھیں جو موہوم خوف لاحق ہے' اسے اپنے ذہنوں سے نکال دیں کیونکہ ان ممالک میں جمہوریت' ان اسلامی تحریکوں کے ہاتھوں ہی آئے گی' جب وہ عنان اقتدار سنبھالیں گے۔

اسلامی تحریک کے سربراہوں نے ایک سے زیادہ دفعہ اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ امریکہ اور اسلام کو ایک دوسرے کا دشمن بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اور ہم امریکہ اور مغرب کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ لیکن امریکہ اور مغرب کا امور خارجہ کا رویہ (خصوصاً اسلامی ممالک کے حوالے سے) جمہوریت کے اصولوں کے یکسر خلاف ہے' جس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے مغرب نہیں تھکتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میرے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ''امریکہ کی خارجی سیاست کو اسلامی سیاست کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہیے؟''

اس سلسلے میں امریکہ کی خارجی سیاست کے لیے میری درج ذیل تجاویز ہیں:

۱۔ اسلام کے متعلق ہماری سیاست خیر و بھلائی پر مبنی ہونی چاہیے جس کا مقصد عام افراد تک نفع پہنچانا ہو' کیوں کہ کئی معاملات میں اسلام' مسیحیت اور یہودیت میں مشترکہ قدریں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ ہمیں کثیر الجماعتی جمہوری نظام کی حمایت کرنی چاہیے جو کہ جمہوریت کا اصلی مفہوم ہے اور اسے جمہوریت کے مغربی مفہوم تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ ہمیں مسلمان کی اہلیت و صلاحیت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ کامیابی کے ساتھ سیاسی نظام چلا سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ حکومت اسلامی بنیادوں پر ہی کیوں نہ قائم ہو۔

۴۔ ہمیں سیاست میں معتدل اسلامی تحریکوں اور متشدد تحریکوں کے درمیان فرق کرنا چاہیے اور بنیاد پرستی کی اصطلاح کو محض اسلام دشمنی کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں ان اسباب پر بھی نظر رکھنی چاہیے جن کے نتیجے میں یہ تحریکیں اس رویے کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہیں' جیسا کہ الجزائر

میں رونما ہوا کہ جب انھیں انتخابات جیتنے کے بعد حکومت کرنے سے بزور قوت روک دیا گیا تو انھوں نے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔

۵۔ جمہوری حکومت کو بزور قوت گرانے کے لیے کی جانے والی تمام کوششوں کی ہمیں پرزور مخالفت کرنی چاہیے' چاہے وہ خلاف ورزی اسلامی حکومتوں کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ امریکی حکومت کو چاہیے کہ وہ تمام اعتدال پسند اسلامی تحریکوں اور ان تمام تحریکوں کے ساتھ' جو پرامن سیاست میں حصہ لیتی ہیں' اچھے روابط رکھیں تاکہ عوام کو ظالم حکومتوں سے نجات مل سکے۔

۷۔ امریکیوں کو عموماً اور خارجہ سیاست کے ذمہ داران کو خصوصاً اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلامی تحریکات سے متعارف ہوں' جو کہ ایسی قوت بن چکی ہیں' جنھیں نظرانداز کرنا اب ناممکن ہے' وہ تحریکیں امریکہ کے اندر ہیں یا امریکہ سے باہر۔

میں امریکی ارباب اختیار سے پوچھتی ہوں کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اسلامی حکومتوں کے قیام کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ انھیں حکومت کرنے کا موقع ملنا چاہیے تاکہ وہ ہمیں بتائیں کہ دین کی اخلاقی تعلیمات کا معاشرے کی اصلاح میں کیا کردار ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے جس کا مغربی معاشرے میں بڑا فقدان ہے۔ مغرب نے یہ بات اپنے ذہن میں کیوں راسخ کر لی ہے کہ اسلام پسند ان کے دشمن ہیں اور ان کی حکومت آنے کی صورت میں مغرب کو اپنے مفادات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

جوسی ڈافیس سے جب پوچھا گیا کہ مغرب میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً یہودی لابی گہرا اثر و رسوخ رکھتی ہے اور اسلام کے خلاف ہر جگہ زہریلا پروپیگنڈہ کر رہی ہے' جس کی تازہ مثال ڈاکٹر حسن ترابی کا وہ انٹرویو ہے جو انھوں نے واشنگٹن میں دیا' جس میں کہا کہ اسلام تو مغرب کا دشمن نہیں ہے۔ لیکن امریکی صحافت نے اس بیان کو بالکل بگاڑ کر بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص تشدد پسندوں کا سربراہ ہے' امریکہ کا دشمن ہے اور یہ جھوٹ بولتا ہے کہ یہ امن کا خواہاں ہے' یہ تو جہاد کا داعی ہے۔

جواب میں مادام ڈافیس نے کہا کہ یہودیوں کے سارے طبقے تو اس طرح نہیں ہیں البتہ ایک بڑا گروہ ہر وقت اسرائیل کے مفادات کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اسلام کے صحیح مفہوم کو صحیح سمجھنے کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

(ترجمہ: عبدالواحد تلخیص و ترتیب: رشید احمد)

رسائل و مسائل

مغربی تہذیب کا سیلاب

مغربی تہذیب کا جو سیلاب ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیے چلا جا رہا ہے' ہم اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں؟

اس سیلاب کا مقابلہ اس وقت آپ اس کے سوا کسی اور طرح نہیں کر سکتے کہ اس کے نقصانات پورے دلائل کے ساتھ لوگوں کے سامنے لائیں۔ کیونکہ آپ کے پاس وہ طاقت نہیں ہے جس سے آپ سیلاب کے دھارے کو روک دیں' وہ ذرائع نہیں جن سے آپ بند باندھیں' وہ طاقت نہیں ہے جس سے آپ ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ سکیں جو یہ سیلاب لیے چلے آ رہے ہیں۔ جب یہ طاقت نہیں ہے' یہ ذرائع نہیں ہیں' تو اب آپ جو کچھ کر سکتے ہیں' وہ یہ ہے کہ نہایت معقول دلائل کے ساتھ ہر اس شخص کو جو اس سیلاب میں بہا جا رہا ہو' بچانے کے لیے اس کو بتائیں کہ اس کے یہ یہ نقصانات ہیں۔ اس کے بعد بہنے والا بہے گا' اور جو بہنا چاہتا ہو' اور بہہ رہا ہو اسے آپ روک نہیں سکتے۔ آپ روک تو اسی کو سکتے ہیں جس کے دل میں برائی کا خوف ابھی کچھ باقی ہے۔ (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی)

جہاد اور جہاد کشمیر

کیا امپیریلزم کے خلاف جنگ' جہاد ہے؟ اگر ہے تو کیسے؟

جہاد فی سبیل اللہ کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کیا جائے۔ دوسرا جو مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے کے لیے کیا جائے۔ تیسرا جو خود اپنے دفاع کے لیے کیا جائے' یعنی کسی مسلمان ملک پر جب کوئی دشمن حملہ آور ہو تو اس کے باشندوں کا فرض ہے کہ وہ مدافعت کریں اور ملک کو دشمن کے قبضے میں جانے سے روکیں۔ اگر ان شکلوں میں پیش نظر خدا اور اس کی رضا ہو گی تو جہاد فی سبیل اللہ ہو گا' اور اگر خدا کی رضا پیش نظر نہ ہوئی تو جہاد نہ ہو گا۔ محض کسی کے خلاف جنگ چھیڑ دینا جہاد نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے اگر یہ دیکھا جائے کہ امپریلزم

کے اندر طغیانی ' سرکشی ' اپنی حد سے تجاوز اور دوسروں پر زیادتی پائی جاتی ہے ' تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی مخالفت کی جائے ۔ مگر نیت یہ ہونی چاہیے کہ انسان پر سے انسان کی حاکمیت کو ہٹایا جائے اور اللہ کی حاکمیت قائم کی جائے ۔ یہ مقصد ہو گا تو وہ جہاد ہو گا۔ اسلام کے نقطہ نظر سے انسان ہر ایک سے آزاد ہو ' مگر اسے خدا کا غلام ضرور ہونا چاہیے۔ انسان اگر خدا کی غلامی سے بھی آزاد ہو جائے تو پھر کسی آزادی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ (س ۔ ا ۔ م)

کشمیر کی جنگ آزادی کو کس حد تک جہاد کہا جا سکتا ہے ؟

پوری طرح ! اس کے جہاد ہونے میں کوئی کسر نہیں ہے ۔ بس یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ لڑائی میں نیت کیا ہے ؟ اگر کفر کے تسلط سے آزاد ہو کر مسلمانوں کی زندگی بسر کرنے کی نیت ہو تو بلاشبہ یہ جہاد ہے ۔ لیکن اگر کوئی اور نیت ہو تو پھر یہ جہاد نہیں ہو سکتا ۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ آیا یہ میری راہ میں مجاہد ہیں یا کسی اور کی راہ میں ۔ (س ۔ ا ۔ م)

مسئلہ دوسری شادی کا

ایک ضروری اور ایک اہم سوال کرنا ہے ۔ میں یہ مانتی ہوں کہ دوسری شادی مرد کے لیے حلال ہے ' لیکن میں معلوم کرنا چاہتی ہوں :

۱۔ کیا ایسا بھی کوئی مسئلہ ہے کہ یہ ضروری ہے ۔ کیا یہ جائز ہے کہ بغیر کسی مقصد کے مرد محض شوق کی وجہ سے دو یا زائد شادیاں کریں ۔

۲۔ اگر ایک بیوی ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ وہ گھریلو اور ازدواجی تمام معاملات میں شوہر کی ضروریات تو پورا کر سکتی ہے ' لیکن وہ زیادہ بچے پیدا نہیں کر سکتی ' دوسری شادی کرنے سے اس جوڑے کی محبت اور بہترین ازدواجی زندگی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ' اور دوسری شادی کی پریشانی سے بیوی کی بیماری میں اضافہ یقینی ہے ' تو ایسے حالات میں شادی کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا ۔

۳۔ امہات المومنین یا صحابیات میں سے کسی کی کوئی مثال موجود ہے کہ انھوں نے خود اپنے شوہر کی اس کی خواہش یا ضرورت پر شادی کروائی ہو ۔

۴۔ اگر ایک بیوی نسل بڑھانے کے لیے ' یا شوہر کی خواہش پوری کرنے کے لیے ' اس کی دوسری شادی کروائے تو اس کے لیے کیا اجر ہے ۔

۵۔ نکاح کا مقاصد ' نسل بڑھانا ہو ' دینی مصلحت ہو ' یا شوق یا کچھ اور ' جس کے لیے دوسری شادی کی جائے ' اس کے فائدے اور نقصانات کیا ہوں گے ' جبکہ میاں بیوی کا تعلق مثالی ہے ۔

۶۔ اگر اسلام نے دوسری شادی کے حلال ہونے کے بعد اس کو مستحسن بھی کہا ہے ' تو پھر ہمارے معاشرہ میں اس کو اتنا برا کیوں سمجھا جاتا ہے اور خواتین اس کے لیے کیوں تیار نہیں ہوتیں ۔

۷- رسولؐ نے امہات المومنین کو الگ الگ گھر دیے تھے' یا ایک گھر میں سب رہتی تھیں۔

۸- اگر ایک تحریکی خاتون خود' شوہر کی خواہش یا اس کی کچھ ضرورت کی بنا' پر اس کی دوسری شادی کروائے تو اس کا تحریک کو کیا فائدہ ملے گا۔ یہ بیوی کا خود اپنے آپ کو تو آزمائش میں ڈالنا نہیں ہو گا۔ کیا اس میں دینی مصلحت ہو سکتی ہے 'جبکہ بیوی خوف خدا اور خوف آخرت رکھنے والی ہے اور صرف اللہ کی رضا ہی مطلوب ہے۔

۹- اگر بیوی اپنے شوہر کی دوسری شادی کی مخالفت کرے تو شریعت کیا کہتی ہے؟

۱- قرآن نے مرد کو ایک سے زائد شادیاں کرنے کی صرف اجازت دی ہے' ہدایت نہیں کی ہے نہ حکم دیا ہے۔ اس لیے دوسری شادی کرنا نہ ضروری ہے نہ فرض' صرف مباح ہے۔

دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کرنے کا اختیار مرد کو دیا گیا ہے' اور اس اختیار کو صرف عدل کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ یعنی وہ بیویوں کے درمیان سارے معاملات میں مکمل عدل کرے۔ عدل کرنے پر قادر نہ ہو تو ایک بیوی پر اکتفا کرے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری شرط عائد نہیں کی گئی ہے کہ اس کی غرض کیا ہو' مقصد کیا ہو' اس کو ضرورت ہے یا نہیں' وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ پھر عدالت اور پنچایت اور فریق ثانی کی دخل اندازی ضروری ہو جاتی اور بے پناہ مفاسد کا دروازہ کھلتا جاتا۔ خصوصاً خانگی زندگی میں یہ مفاسد بہت خرابی کا سبب بنتے۔ مرد کو اختیار دینے سے بھی مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں' لیکن ان کا امکان کم ہے' اور ان کا مداوا آسان۔

۲- دوسری شادی کرنے سے اگر ازدواجی زندگی اور باہمی محبت متاثر ہوتی ہے' جو دونوں کو عزیز ہے' تو یہ شوہر کے دل کا کام ہے' اس کی محبت ہے' یا بیوی کی محبت کا زور ہے' کہ وہ اس کو دوسری شادی سے باز رکھے۔ اس سلسلہ میں قانون کی مداخلت کی گنجایش نہیں۔

بعض دفعہ بچے پیدا نہ ہونے کا سبب مرد میں ہوتا ہے' اس لیے بچوں کے لیے ازدواجی زندگی بگاڑنے سے پہلے طبی تحقیق بھی کر لینا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ دوسری بیوی سے لازماً بچے پیدا ہوں گے' یا صحت مند اور صالح ہوں گے' یا زندہ رہیں گے۔ اس لیے' الا یہ کہ کوئی شدید معاشرتی ضرورت ہو' میری رائے میں مرد کو پیار و محبت کا ازدواجی تعلق نہ بگاڑنا چاہیے' اور اولاد کے بارے میں سورۃ الشوریٰ کی یہ آیت سامنے رکھنا چاہیے: "اللہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے' جس کو چاہتا ہے لڑکے' یا دونوں' اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے"۔

۳- عرب معاشرہ میں دوسری شادی کا عام رواج تھا' اسی لیے اعتراض عموماً نہ ہوتا ہو گا۔ اسی لیے پہلی بیوی کے شادی کروانے کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا۔ میرے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں۔

۴- صبر اور قربانی کا اجر اللہ کے پاس ہوتا ہے' وہ جتنا چاہے دے۔ بہرحال بیوی کو یہ قربانی دیتے ہوئے اپنی استطاعت اور زندگی کے بارے میں غور کر لینا چاہیے۔ اگر اس کی زندگی میں زیادہ بگاڑ پیدا

ہوا' وہ حسد اور غیبت جیسی برائیوں میں مبتلا ہوئی' تو وہاں' اجر سے زیادہ ہوسکتا ہے۔

۵۔ اگر میاں بیوی کا تعلق مثالی ہو تو شوہر صرف اپنے شوق پورا کرنے یا نسل بڑھانے کے لیے اس تعلق کو کیوں خراب کرنا چاہے گا!

۶۔ دوسری شادی کی صرف اجازت دی گئی ہے' اس کے مستحسن ہونے کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں۔ ہاں' مودت' رحمت اور سکینت کے ازدواجی تعلقات شریعت میں عین مطلوب ہیں۔

کوئی انسان بھی اپنی محبت اور اپنی مملکت میں شریک و سہیم اور حریف کو برداشت نہیں کرتا۔ عورت کی تو ایک ہی مملکت اور محبت ہوتی ہے: شوہر کا دل اور اس کا گھر۔ چنانچہ یہ بالکل فطری ہے کہ وہ دوسری بیوی کو برداشت نہ کرے۔ ہمارے معاشرے ہی میں نہیں' ہر معاشرے میں۔ ہاں' جہاں معاشرتی رواج بن گیا ہے وہاں فطرت اس کی عادی ہو جاتی ہے۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو الگ الگ گھر دیے تھے۔ شرعاً ہر بیوی کا یہ حق ہے کہ اسے الگ رہائش دی جائے جہاں وہ تنہا مختار ہو۔

۸۔ دوسری شادی کرانے کے لیے بیوی کو آمادہ کرنا' اور اس کے لیے تحریکی اور دینی مصلحت کو بنیاد بنانا' ایک بے بنیاد سی بات ہے۔ الا یہ کہ تحریکی منفعت بالکل اظہر من الشمس ہو' قائل کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔ آزمائش میں ڈالنے کے سلسلہ میں شق ۴ پر غور کرلیں۔

۹۔ بیوی دوسری شادی کی مخالفت کرسکتی ہے۔ لیکن نرمی' محبت اور حکمت کے ساتھ کرے۔ اگر شوہر نہ مانے اور دوسری شادی کرلے تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اگر گزر ناممکن ہو' اور اچھی ازدواجی زندگی ممکن نہ ہو' تو خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی قانونی راستہ ہوتا تو پھر مرد آشنائیاں کرتے پھرتے' جو یورپ میں عام ہے۔

جہاں تک آپ کا تعلق ہے' تو آپ کے حالات تفصیل سے جانے بغیر صائب مشورہ دینا مشکل ہے۔ اگر آپس کا تعلق بہترین ہے' آپ اتنی بیمار نہیں' بچے بھی ہیں لیکن کم' تو شوہر کس لیے شادی کرنے کے خواہاں ہیں۔ آپ کے حالات میں بہتر یہی لگتا ہے کہ آپ محبت کے زور پر انھیں باز رکھنے کی کوشش کریں۔ کامیاب نہ ہوں تو حالات سے سمجھوتہ کرلیں۔ الگ گھر کی کوشش کریں۔ پھر بھی حالات بگڑیں تو آپ کی زندگی' آپ کی اپنی ہے اس کی فلاح کے لیے آپ اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ زندگی خراب نہ کریں۔ مگر سوکن کی خرابی سے بچنے کے لیے زیادہ بڑی خرابی میں بھی نہ پڑ جائیں۔ جو کچھ کریں خوب سوچ سمجھ کر' نتائج و عواقب کا پورا اندازہ کر کے کریں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

(خرم مراد)

احکام میں سختی اور نرمی

"تغیر احکام بلحاظ تغیر زمانہ و احوال" (اکتوبر ۹۵) پڑھنے سے ذرا مایوسی ہوئی ہے۔اس وقت پورا معاشرہ بدامنی ' فحاشی ' ڈاکہ زنی 'قتل اور دیگر ہر قسم کے جرائم کا شکار ہے۔اس کے تدارک کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم قرآن اور حدیث کے واضح احکامات کی روشنی میں جرائم پیشہ افراد کے لیے یہ دنیا تنگ کر دیں۔ لیکن اس مضمون میں مجرموں کو رعایت دینے کے لیے جو دلائل دیے ہیں اس سے مجرم اور بھی دلیر ہوں گے۔کیا یہ وقت موزوں تھا کہ آپ یہ ترجمان القرآن میں شائع کرتے۔

یہ مضمون حافظ ابن قیم کی مشہور کتاب اعلام الموقعین سے ماخوذ ہے۔قرآن و سنت کے علم و فہم اور دینی غیرت و حمیت کے لحاظ سے ان کا درجہ بہت بلند ہے ' اور وہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید تھے۔ لیکن کسی بات کے صحیح ہونے کے لیے صرف یہی بات کافی نہیں کہ کہنے والے کا مقام بتا دیا جائے۔تغیر احکام کا اصول ایک انتہائی اہم اور بنیادی اصول ہے۔تقریباً تمام ائمہ و فقہا نے کسی نہ کسی انداز میں اس کو پیش کیا ہے۔اس اصول کی اہمیت کو بھی حافظ ابن قیم نے مقالہ کے آغاز ہی میں بڑے دل نشین انداز میں واضح کیا ہے 'کہ شریعت سراسر عدل و فلاح پر مبنی ہے ' اور اس اہم اصول سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت خرابی اور فساد پیدا ہو رہا ہے۔

آپ کو بھی اس سے اتفاق ہے کہ یہ اصول صحیح ہے اور شریعت کا بنیادی اصول ہے۔ آپ کو تشویش و اعتراض اس لیے ہے کہ اس زمانہ میں اس کو بیان کرنے سے لوگوں کو چھوٹ مل جائے گی اور جرائم پیشہ لوگ بری ہو جائیں گے۔چنانچہ آپ کی رائے میں اس وقت اس اصول کو بیان نہ کرنا چاہیے تھا۔

اس مضمون کی اشاعت کے بغیر ہی ' دین پر عمل میں انحطاط کی جو کیفیت ہے ' اور مجرم جس طرح پاکستان میں وندناتے پھر رہے ہیں ' اس کے پیش نظر آپ نے انحطاط عمل اور مجرمین کی چھوٹ کا جو اندیشہ ظاہر کیا ہے اس میں کوئی وزن نہیں محسوس ہوتا۔اس قسم کے اندیشوں کی وجہ سے دین کے اہم اصولوں کے بیان کرنے سے رک جانا ' دین کے لحاظ سے بھی ایک غلط بات ہوتی۔فی زمانہ جو فساد ہے اس کی خرابی کی وجوہات میں جہاں ایمان کی کمزوری ' طبیعتوں کا بگاڑ اور نظام کی خرابی شامل ہیں ' وہاں شریعت کا جامد اور بوجھ بن جانا بھی ہے۔یہود نے بھی شریعت کو اسی طرح جامد اور بوجھ بنا دیا تھا۔اسی لیے حضور نبی کریم ؐ کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ آپ نے نہ صرف خبائث کی حرمت قائم کی بلکہ طیبات کی حرمت کو ختم کر کے ان کو حلال کیا ' اور دین کے نام پر جو بوجھ اور بیڑیاں لوگوں کے اوپر رکھ دی گئی تھیں ' ان کو ہٹایا اور توڑا (الاعراف)۔چنانچہ آپ غور کریں گے تو دور جدید میں اسلامی تہذیب کے احیا اور تشکیل نو کے لیے یہ مقالہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔یہ ترجمان القرآن میں سب سے پہلے ۱۹۳۷ میں سید مودودی نے چھاپا تھا ' پھر ۱۹۵۹ میں انھی کی ہدایت پر مولانا خلیل حامدی نے

دوبارہ چھاپا تھا۔ (خ-م)

دارالکفر میں رہائش

لوگ کہتے ہیں کہ دارالکفر میں رہنا مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ بعض تفاسیر کے مطابق سورہ النسائی آیت نمبر . . . کی روشنی میں ایک مسلمان انگلینڈ میں نہیں رہ سکتا گو کہ یہاں کوئی روک ٹوک نہیں اور دین کے تمام ارکان 'مع تبلیغ' ادا کرنے کی آزادی ہے۔ لیکن حکومت کو اسلامی حکومت بنانے کا تصور نہیں۔ ایسی صورت حال میں یہاں رہنا مناسب نہیں۔ ایک عالم دین کہتے ہیں آپ تبلیغ کی نیت سے رہ سکتے ہیں تاکہ جو مسلمان راہ سے ہٹ گئے ہیں ان کی اصلاح کریں۔

فی زمانہ دارالکفر میں رہنا ناجائز ہونے کی بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

۱۔ فی زمانہ مدینہ کی طرح کوئی دار الھجرت یا دارالاسلام نہیں' جہاں منتقل ہو جانے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہو۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے احکام کا ہر زمانے میں اطلاق صحیح نہیں ہے۔ بہت سے علما کے نزدیک فتح مکہ کے بعد ان معنوں میں ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

۲۔ اس وقت دنیا میں صحیح معنوں میں کوئی دارالاسلام موجود ہی نہیں۔ سب دارالمسلمین ہیں' اور کفر کے غلبہ کی حد تک ان کی حالت دارالکفر سے کچھ بہتر نہیں۔

۳۔ اس کے باوجود دارالمسلمین میں رہنا انسب اور اولیٰ ہے' پسندیدہ اور قابل ترجیح ہے' اس کے بے شمار فوائد ہیں' اور بلاعذر معقول دارالکفر میں نہیں رہنا چاہیے۔

۴۔ جتنے مسلمان دارالکفر میں رہتے ہیں' وہاں کے باشندے ہیں یا وہاں جاکر معاشی و تعلیمی اسباب کی وجہ سے آباد ہو گئے ہیں' ان کو کوئی دارالمسلمین اپنے اندر نہیں سمو سکتا۔ ہندوستان میں ۱۵ کروڑ کے لگ بھگ مسلمان ہیں' چین میں ۵ کروڑ' روس میں ۲ کروڑ' اور یورپ میں ۲/ ۳ کروڑ سے زیادہ۔ ان سب کا نہ منتقل ہونا ممکن ہے' نہ ضروری' نہ فرض۔

۵۔ پیدائش کی بنا پر' وطن ہونے کی بنا پر' تعلیم کی بنا پر' اور اگر دارالمسلمین میں ذریعہ معاش میسر نہ ہو تو بہتر معاش کے لیے بھی' دارالکفر میں' جو دارالامن اور دارالصلح ہو' رہنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں ہوتا۔

۶۔ مسلمان جہاں بھی ہو' دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس پر فرض ہے۔ مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی۔ چنانچہ آپ بنیادی طور پر اسی فریضہ کی ادائیگی کی نیت کیوں نہ کریں اور کام بھی کریں۔ اجر بھی ملے گا' معاش بھی۔ (خ-م)

جماعت اسلامی سے تقریباً چھ ماہ پہلے متعارف ہوا ہوں۔ ہفتہ وار اجتماع میں باقاعدگی سے شرکت کرتا ہوں۔ اب میری یہ کیفیت ہوگئی ہے کہ جہاد کے بارے میں درس قرآن نے دل کی گہرائیوں تک اثر کیا ہے۔ سوتے جاگتے یہی جذبہ رہتا ہے کہ دشمنان دین کو ختم کر دوں۔ کشمیر' بوسنیا اور فلسطین میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان سنتا ہوں تو بے اختیار آنسو آجاتے ہیں' اور اس مجلس میں بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن گھر میں بھی عجیب حالت ہے' چار بہنوں کا بوجھ سر پر ہے۔ گھر کے حالات نے بھی میری روح کو زخمی کر رکھا ہے۔ جب والدہ سے اجازت مانگتا ہوں تو وہ بھی اپنی بپتی داستان غم سناتی ہیں۔ آخر ان کے آگے بھی سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ بہنوں کی ذمہ داری کیا کشمیر کے جہاد سے کم ہے۔ گھر کی باتوں اور درس نے جیسے میرا سکون چھین لیا ہو۔ نمازوں میں اور تنہائی کے عالم میں انھیں خیالوں کے بھنور میں کھویا رہتا ہوں۔ بعض دفعہ تو ایسی کیفیت ہو جاتی ہے کہ دیواروں سے ٹکرا کر سر پھوڑنے کو دل چاہتا ہے۔ خدا کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں میری پریشانی کا حل بتائیں۔ کیا مجھے والدہ کی بات ماننا چاہیے یا پھر مجھے گھر سے بھاگ کر جہاد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیا جہاد میں والدین کی اجازت ضروری ہوتی ہے؟

آپ کے حالات دیکھتے ہوئے میرے نزدیک آپ کے لیے صحیح راہ عمل یہی ہے کہ آپ والدہ کا کہنا مانیں اور چار بہنوں کی خبرگیری کریں۔ جہاد کی ایک ہی صورت نہیں' خصوصاً آج کے دور میں' کہ ہر شخص میدان جنگ میں جاکر شہید ہو۔ بلکہ آج کل ایک آدمی محاذ پر ہو گا' تو ..ا آدمیوں کو پشت پناہی کرنا ہوگی۔ مجاہد کے لیے سازوسامان فراہم کرنا' اس کے گھر والوں کی خبرگیری کرنا' یہ بھی جہاد ہے۔ آپ والدہ اور بہنوں کی خبرگیری کے ساتھ ساتھ یہ خدمات انجام دیں۔ اللہ آپ کو جہاد کا اجر دے گا۔ نبی کریم ؐ نے بھی خصوصی حالات میں جہاد سے رخصت بھی دی ہے' اور جہاد کے بجائے والدین کی خدمت کا حکم بھی دیا ہے۔ صاحب امر کی طرف سے نفیر عام نہ ہو تو جہاد فرض عین بھی نہیں۔

جزئیات پر غیرضروری زور

مسجد کے امام صاحب' ایک حدیث' جو کہ اسوہ رسول اکرم ؐ نامی کتاب کے صفحہ ۲۲۰-۲۲۱ پر درج ہے' منبر کے پاس بیٹھ کر لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے تھے۔ اس میں حضور ؐ کے تین زینے چڑھنے کا ذکر تھا۔ میرے ذہن میں منبر رسول کے زینوں کی تعداد کے بارے میں سوال پیدا ہوا۔ کیونکہ تیسرا زینہ تو چبوترہ ہوتا ہے جس پر چڑھا نہیں جاتا۔ مختلف جگہ تلاش کیا' تشفی نہیں ہوئی۔ بعض جگہ زینوں پر چڑھنے کا ذکر ہے۔ بعض جگہ نہیں ہے' مثلاً تحفہ رمضان نامی کتاب میں۔ (سائل نے نہایت تفصیل سے اپنی روداد تلاش بیان کی ہے)۔ اب آپ سے استدعا ہے کہ عالمانہ اور تحقیقی نظر ڈالتے ہوئے بتائیں کہ پہلے' دوسرے اور تیسرے زینوں پہ چڑھنے کے الفاظ کے اضافہ کے ساتھ بیان کردہ حدیث' موضوع حدیث کے زمرے میں آتی ہے یا نہیں؟

آپ نے جس حدیث کے بارے میں سوال کیا ہے' حافظ منذری نے الترغیب و الترهیب میں اس کے ۶ متن نقل کیے ہیں (ج ۲'ص ۵۰۶ تا ۵۰۸)۔ حاکم (قال صحیح الاسناد)، صحیح ابن حبان، البزار اور طبرانی کے متون میں تین درجے / سیڑھیاں چڑھنے کا صاف اور واضح ذکر ہے۔ باقی دو متن' ابن خزیمه / ابن حبان اور ترمذی کے وہی ہیں جو تحفہ رمضان میں درج ہیں۔ چھٹا متن طبرانی کا ہے جس میں تین درجات کا ذکر نہیں۔ چنانچہ تین زینوں پر چڑھنے کے الفاظ کو اضافہ قرار دے کر' روایت کو موضوع قرار دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

روایت عموماً روایت بالمعنی ہوتی ہے۔ کوئی مختصر کر کے روایت کرتا ہے' کوئی تفصیل کے ساتھ۔ اسی لیے آپ تینوں باتوں کی ترتیب بھی روایات میں مختلف پائیں گے۔ حضور ؐ کے زمانے میں تین ہی سیڑھیاں ہوں گی' یا ممکن ہے ۴ ہوں۔ اگر ایک سیڑھی بالشت بھر اونچی ہو (۸-۹ انچ)' اور کل اونچائی ایک میٹر (۳۹ انچ) تھی' تو چار بنیں گی یا ہو سکتا ہے حضور ؐ اس دن تیسری پر کھڑے ہو گئے ہوں' مختصر سا خطاب کر کے۔ لیکن یہ ایک غیر متعلق بحث ہے۔ بہر حال ۳ اور ۴ کی کئی تاویلیں ممکن ہیں۔ حاکم، ابن حبان، البزار، اور طبرانی کی حدیث کو موضوع نہیں قرار دیا جا سکتا۔

آپ ان فروعی مسائل سے دامن چھڑا کر ان بنیادی مسائل کی طرف اپنی توجہ مرکوز کریں جن پر انسانی زندگی' اسلامی تہذیب' اور ہمارے مستقبل کا انحصار ہے۔ (خ-م)

سوالات کرنے والے بعض افراد اپنا پتہ نہیں دیتے اور لکھ دیتے ہیں کہ جواب ترجمان میں شائع کر دیا جائے۔ ترجمان میں صرف چند سوالات منتخب کر کے شائع کیے جاتے ہیں اور وہ بھی' بعض اوقات' کئی کئی ماہ بعد۔ اس لیے' اگر جواب مطلوب ہے تو از راہ کرم اپنا مکمل پتہ ضرور لکھیے۔

آپ کی توجہ کے لیے:

ماہ رواں سے ترجمان القرآن کے ایک شمارے کی قیمت -/۱۵ روپے ہے اور سالانہ زر تعاون -/۱۵۰ روپے ہے۔

مینیجر ترجمان القرآن

کتاب نما

امام ابو حنیفہ ؒ کی تابعیت : مولانا محمد عبدالشہید نعمانی۔ناشر: الرحیم اکیڈمی، اے ۷/۷، اعظم نگر، لیاقت آباد کراچی ۱۹۔ ضخامت: صفحات ۱۲۵۔ قیمت: ۲۰ روپے۔

ہمارے ہاں بعض دینی مسالک ایسے ہیں جو امام ابو حنیفہ کی تابعیت کا انکار کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اسی تناظر میں لکھی گئی ہے۔ مصنف محترم نے بڑی کاوش سے امام موصوف کی تابعیت ثابت کرنے کے لیے عمدہ مواد جمع کیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق امام ابو حنیفہ ؒ کا اپنا بیان بہت اہم ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں حج کے لیے روانہ ہوا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ مسجد حرام میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کچھ لوگ حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ یہ لوگ اس طرح ایک طرف کیوں بیٹھے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث ؓ بیٹھتے ہیں اور حدیث کا درس دیتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ حدیث بیان فرما رہے تھے:

کتاب مدلل ہے، حوالوں سے مرصع ہے اور اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے مفید اور معلومات افزا پائیں گے۔ معیار کتابت و طباعت اوسط درجے کا ہے۔ احادیث کی کتابت زیادہ بہتر اور معیاری ہونی چاہیے تھی۔ (عاصم نعمانی)

عظمت رازی : محمد رضی الاسلام ندوی۔ ملنے کا پتا: اعجاز پبلشنگ ہاؤس ۲۰۶۰، کوچہ چیلان دریا گنج، نئی دہلی ۲۔ صفحات: ۱۷۶۔ قیمت: ۶۰ روپے۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی (م: ۹۳۲ھ) عہد اسلامی کی قاموسی شخصیت ہے۔ اگرچہ اسے کیمیا، طبیعیات، ہندسے، منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی، لیکن فن طب میں اس کی شہرت لازوال ہے۔ رازی بغداد کے مرکزی ہسپتال کا طبیب اعلیٰ تھا۔ اس نے تقریباً پچیس سال تک ہزاروں مریضوں کا علاج کیا اور اپنے بیش قیمت نتائج تحقیق، اہم تصانیف کی صورت میں مرتب کیے۔ اس کی تصانیف میں "کتاب الحاوی"، "کتاب المنصوری" اور "کتاب المرشد" بہت اہم ہیں۔

اول الذکر تیئس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی اکثر تصانیف یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو کر علمی و طبّی حلقوں میں متداول رہی ہیں اور یورپ کی علمی پیش رفت میں مذکورہ تصانیف نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ رازی کی عظمت کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ اس نے سائنسی طریق کار کو اپناتے ہوئے فن طب کے مختلف پہلوؤں پر تنقیدی نظر ڈالی اور بہت سے مسائل میں قدما سے اختلاف کر کے تحقیقی روش کو فروغ دیا۔ اس نے علاج میں نفسیات کو استعمال کیا، چیچک اور خسرہ وغیرہ امراض کے سلسلے میں اجتہادی بصیرت کا ثبوت دیا۔ اس عظیم مسلم طبیب کے بارے میں معیاری تحقیقی کام کی ضرورت تھی۔ زیر تبصرہ کتاب نے اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے۔ اس میں رازی کی شخصیت، طبّی کارناموں، علمی و طبّی تصانیف وغیرہ کا عمدہ تعارف کرایا گیا ہے۔ رازی کے بارے میں مشرقی و مغربی محققین کی آرا درج کرنے کے علاوہ اس کی تصانیف کے تراجم اور اہم کتابوں میں اس کے کمالات کے تذکرے کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ یہ گویا ایک نمونہ تحقیق ہے جس کے مطابق دیگر مسلم مشاہیر کے کارناموں پر تصنیف و تالیف کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ کتاب میں ایک کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کئی طبّی اصطلاحات کی وضاحت نہیں کی گئی اور بعض اوزان کی صحیح تعیین نہیں کی گئی۔ ص ۵۸ پر رطل کو تقریباً ایک پونڈ اور ص ۶۱ پر ۱۲ اونس کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ کتاب کے شروع یا آخر میں ان چیزوں کی توضیحی فہرست شامل کر دی جاتی۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

OUR DIALOGUE، حصہ اول و دوم، عادل صلاحی۔ ناشر: الائیڈ پروموٹرز، ۴۔ ہ قمر ہاؤس۔ ایم اے جناح روڈ، کراچی۔ صفحات جلد اول: ۳۰۴۔ جلد دوم: ۲۰۴۔ قیمت: درج نہیں۔

روز مرہ مسائل میں دینی راہ نمائی حاصل کرنے کے لیے اخبارات میں سوال و جواب کے کالم نہایت دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ جدہ کے انگریزی اخبار ''عرب نیوز'' میں عادل صلاحی کے جوابات پاکستان کے کچھ اہل خیر کو اتنے پسند آئے کہ تین تین سو صفحات کی دو جلدوں میں مرتب کر کے پیش کر دیے۔ سوالات زندگی کے ہر دائرہ سے متعلق ہیں، خصوصاً وہ مسائل جو جدید طرز زندگی کی وجہ سے پیش آرہے ہیں، مثلاً: جو غسل خانہ رفع حاجت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، وہاں وضو کرتے ہوئے اذکار پڑھنے کا مسئلہ، سیاسی پارٹی کو زکوة ادا کرنا۔ اسی طرح کے تقریباً ایک ہزار سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ جواب اور جواب دینے کا انداز ہی ان کی پسندیدگی کی اصل وجہ ہے۔ کسی ایک مسلک کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ مسئلہ صرف بیان نہیں کر دیا گیا ہے، بلکہ سمجھایا گیا ہے اور احسن طریقہ سے سمجھایا گیا ہے۔ عموماً مسائل کی کتابوں میں ابواب قائم کیے جاتے ہیں، لیکن جدید فقہ کی اس کتاب میں حروف ابجد کی ترتیب سے A تا Z سوالات مرتب کیے گئے ہیں۔ کسی مخصوص مسئلے کا

جواب تلاش کرنے میں یہ ترتیب کہاں تک مفید ہے ' کہا نہیں جاسکتا۔ Ablution کے تحت وضو کے سب مسائل مل جائیں گے ' لیکن دوسری طرف اسی کے ساتھ ہی (Aboirtion) اسقاط حمل کا مسئلہ ملے گا۔ سود (ا) کے تحت ہے ' اور بینک B کے تحت۔ (Angel) فرشتہ اور (Anger) غصہ ساتھ ساتھ ہیں۔ (Prayer) نماز اور (Pregnancy) حمل میں زیادہ فاصلہ نہیں۔ بہرحال اپنے سوال کا عنوان قائم کرنا اور پھر تلاش کرنا ایک دلچسپ مشق ضرور ہے۔ (مسلم سجاد)

: Sales and Contracts in Early Islamic Commercial Laws

عبداللہ علوی حاجی حسن۔ ناشر ادارہ تحقیقات اسلامی ' انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ' اسلام آباد۔ صفحات ۲۶۶۔ قیمت : ۱۷۵ روپے۔

عبداللہ علوی حاجی حسن یونیورسٹی آف ملایا (ملائشیا) میں استاد ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان کے پی ایچ ڈی کے اس مقالہ کی ترمیم و اضافہ شدہ صورت ہے ' جو انھوں نے یونیورسٹی آف ایڈن برا (سکاٹ لینڈ) میں پیش کیا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر علوی نے قبل از اسلام ' اور بعثت نبوی کے بعد دور نبوت و خلافت راشدہ کی کاروباری سرگرمیوں اور ان کے نتیجے میں مرتب ہونے والے کاروباری اصول و ضوابط اور قوانین کو پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے اہم موضوعات میں قبل از اسلام کی کاروباری سرگرمیاں ' کاروبار اور کاروباری اخلاقیات سے متعلقہ آیات و احادیث ' کاروباری لین دین کے جائز اور ناجائز طریقوں کا جائزہ ' کاروباری معاہدات ' فروخت کاری میں خطرہ (Risk) کا معاملہ ' شراکت و مضاربت ' رہن اور قرض کے معاملات اور قوانین ' کرایہ داری اور عاملین کے معاوضے ' تجارتی تنازعات اور عدالتوں کے مصالحتی کردار شامل ہیں۔ مزید برآں تسعیر (Price Control) ' خیارات (Options) ' از قسم خیار شرط ' خیار رویۃ اور خیار عیوب وغیرہ ' شفعہ ' عاریت ' وضیعۃ (Trust) ' الحجر ' الکفالۃ اور غصب وغیرہ کے معاملات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی ہدایات اور فیصلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں حوالہ جات ' اشاریے اور کتابیات نے کتاب کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کتاب معاشیات ' کامرس اور قانون کے اساتذہ و طلبہ کے لیے خاص طور پر ' اور اسلامی نظام معیشت کو پڑھنے سمجھنے اور اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے عام طور پر ' مفید اضافہ ہے۔

کتاب کی نوعیت کے پیش نظر اس میں سود اور سودی معاملات پر بحث نہیں کی گئی۔ یہ کتاب دور جدید کے مسائل ' خاص طور پر آج کے دور کی پیچیدہ منڈیاتی معیشت (Market Economy) میں پیش آنے والے معاملات ' اور تجارتی لین دین کے طریقوں میں شریعت کی راہ نمائی فراہم کر سکتی ہے۔

یقیناً یہ اسلامی معاشیات کے لٹریچر میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ (میاں محمد اکرم)

کلیات ماہر، مرتب: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق۔ ناشر: القمر انٹرپرائزز' اردو بازار لاہور۔ صفحات: ۱۰۴۶۔ قیمت: ۴۵۰ روپے۔

ماہر القادری مرحوم کی بہت سی حیثیتیں ہیں: شاعر' ادیب' صحافی' افسانہ نویس' نقاد' زبان دان - ان کی اول الذکر حیثیت سب سے نمایاں رہی۔ اپنے دور کے بلند پایہ ادبی رسائل کے ذریعے ان کا کلام' شائقین تک پہنچتا رہا' پھر وہ مشاعروں کے ذریعے بھی داد سمیٹتے رہے۔ ان کی مقبولیت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ ان کی نعت "سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی"..... اتنی مقبول ہوئی کہ بہت کم نعتیں مقبولیت کے اس درجے پر پہنچ پائیں۔ قیام پاکستان کے بعد انھوں نے اپنی شاعری کو تحریک اسلامی کے مقاصد سے ہم آہنگ کر دیا اور وفات تک اسی انداز سخن پر مستحکم رہے۔ ان کی شاعری اول تا آخر مہارت زبان اور فنی محاسن کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے"۔ (ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا)

ماہر القادری کے متعدد شعری مجموعے شائع ہوئے مگر اس وقت کوئی بھی مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔ ۱۹۷۸ سے وفات (مئی ۱۹۷۸) تک کا کلام تو مدون بھی نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق نے مرحوم کے مطبوعہ' غیرمدون اور غیر مطبوعہ کلام کو یک جا کر کے زیر نظر کلیات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یہ ایک قابل تحسین کام ہے' کیوں کہ جو لوگ ماہر القادری کو ایک شاعر کے طور پر جاننا اور پڑھنا چاہیں انھیں مرحوم کا سارا کلام یک جا مل جائے گا۔ اسی طرح ان پر تحقیق و تنقید کرنے والوں کو بھی سہولت ہوگی۔ ابتدا میں مرتب نے ماہر القادری کے مختصر سوانح بھی شامل کر دیے ہیں۔

"کلیات ماہر" بہت عمدہ' دبیز کاغذ پر صفائی اور سلیقے سے طبع کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے قیمت بھی مناسب ہے۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

جگر' شخصیت اور شاعری' مرتب: اطہر ضیائی۔ ناشر: دبستان جگر' دارالفرحت ۱۹/۱۶۶' فیڈرل بی ایریا' کراچی ۷۵۹۵۰۔ صفحات: ۳۲۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

جگر مراد آبادی اپنے دور کے نہایت مقبول و معروف شاعر تھے۔ ان کی مقبولیت ان کی خوش الحانی کے ساتھ ساتھ ان کے منفرد تغزل کی مرہون منت تھی۔ تقریباً نصف صدی تک وہ برصغیر ہندو پاکستان کی شعری فضا پر چھائے رہے اور انھیں متعدد ادبی اعزازات' انعامات اور وظائف سے نوازا گیا۔

زیر نظر کتاب کے مرتب کا خیال ہے کہ ان کی وفات کے بعد انھیں "نامعلوم وجوہ کی بنا پر مسلسل

نظرانداز بلکہ فراموش کر دینے کی شعوری کوشش کی جاتی رہی ہے"۔ اسی احساس کے تحت چند سال پہلے جگر کے مداحوں نے کراچی میں دبستان جگر قائم کیا جس کے تحت جگر کی یاد میں ادبی و شعری مجالس کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ اب ان کی یاد میں زیرنظر کتاب شائع کی گئی ہے جس میں جگر کی شخصیت اور شاعری پر' اردو کے نامور اور جید نقادوں کے مضامین' جگر کی وفات پر شعرا کے نذرانہ عقیدت اور کلام جگر کا مختصر سا انتخاب شامل ہے۔ مطالعہ جگر مراد آبادی کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے۔ کتابت و طباعت مناسب ہے۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

شاہراہ زندگی پر کامیابی کا سفر: بشیر جمعہ۔ ناشر: جنگ پبلشرز' لاہور۔ صفحات: ۲۸۷۔ قیمت: -/۲۵۰ روپے

کامیاب زندگی کے لیے عملی ہدایات پر مشتمل اس نوعیت کی کتاب شاید اردو میں پہلی دفعہ سامنے آئی ہے۔ جدید دور میں اپنی تعمیر کرنے اور اپنی شخصیت بنانے اور معاشرے میں اپنا مقام حاصل کرنے کا رجحان ہر پیشے میں کام کرنے والوں میں مقبول ہے۔ ہر شخص خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہے۔ یہ کتاب اسی تلاش کی راہنما ہے۔ مرکزی خیال' وقت کا صحیح ترین استعمال ہے۔ ابتدا "مسائل کے تجزیے سے ہوتی ہے' اور پھر کیریر پلاننگ' موثر شخصیت' فن گفتگو' اجتماعی دفتری زندگی' عملی میدان اور انفرادی صلاحیتوں کی نشوونما سے گزرتی ہے۔ بشیر جمعہ کا انداز' بات کو اس طرح پیش کرنے کا ہے کہ قاری متوجہ ہو جائے اور جو باتیں اپنے لیے مفید پائے' نوٹ کر لے۔ کتاب اتنے نکات' اتنے امور اور اتنی ہدایات سے مالا مال ہے کہ کچھ حصہ پر بھی عمل نتائج سامنے لا سکتا ہے۔ انھوں نے ایک مسلمان کے ذہن سے سوچا اور لکھا ہے جس کا اظہار ہر باب میں ہوا ہے۔ آخری باب دعا اور تعمیر سیرت ہے۔ غرض کیریر کی تلاش میں نوجوان' دفتروں میں مسائل کا شکار کارکن اور افسر اور کوئی بھی اجتماعی کام کرنے والے افراد اور ان کے ذمہ دار' سب کے لیے یہ ایک بیش بہا کتاب ہے۔ دوسروں کو کامیابی کا سفر نصیب ہو یا نہ ہو' بشیر جمعہ نے یہ کتاب لکھ کر کامیابی کا ایک سفر ضرور کر لیا ہے۔ (م-س)

محرف قرآن: سید تصدیق بخاری۔ ناشر: ۲۲- سی' وائی بلاک' چیمبر کالونی' گوجرانوالہ۔ صفحات: ۲۲۸۔ قیمت: -/۵۰ روپے

"محرف قرآن" کے ذیلی عنوان "سرسید اپنی تحریرات فاسدہ اور عقائد کاسدہ کے آئینے میں" سے ظاہر ہے کہ کتاب کا مقصد سید احمد خان (م ۱۸۹۸) کے عقائد کی تردید کرنا ہے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے بھی متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ سرسید نے تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل "تفسیر القرآن" اور بعض دیگر تصانیف میں بہت سے موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان میں سے نبوت'

روح ' ملائکہ ' جنت ' دوزخ ' معراج ' ولادت و وفات حضرت عیسیٰ " اور طوفان نوح " وغیرہ کے حوالے سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ' وہ امت مسلمہ کے مجموعی و عمومی طرز فکر سے ہٹ کر ہیں ۔ اس لیے ان پر علمائے کرام نے شدید گرفت کی ہے ۔ سرسید کے تفسیری مباحث کی بنیادی خامی یہ ہے کہ ان میں محض عقلی استدلال سے دینی امور کو قبول یا رد کرنے کی روش اپنائی گئی ہے ۔ ظاہر ہے کہ دین و ایمان کے سلسلے میں محض عقل کو حکم قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ سرسید کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ وہ دین اسلام کے عقائد و اصول کو مغربی علوم کے مطابق ثابت کریں تاکہ وہ مستشرقین مطمئن ہو جائیں جو اسلام کے مختلف پہلوؤں پر معترض ہیں ۔ لیکن ان کی مشکل یہ تھی کہ ایک تو انھیں اسلامی علوم میں کافی مہارت حاصل نہیں تھی ۔ دوسرے مغربی علوم سے بھی انھیں براہ راست واقفیت نہیں تھی ۔ اس لیے ان کی تحریروں میں معذرت خواہانہ انداز پایا جاتا ہے ' جس کا اثر مستشرقین پر تو کیا ہوا ہو گا ' علمائے امت ضرور ان سے بدظن ضرور ہو گئے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہم عصر اور بعد کے علمائے کرام نے ان کے عقائد کو ہدف تنقید بنایا اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے ۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ اس کے مصنف جناب سید تصدیق بخاری کئی کتابوں کے مصنف ہیں ۔ انھوں نے سرسید کے عقائد و نظریات کی تردید کے لیے عموماً قرآن و سنت اور تفاسیر وغیرہ مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے ۔ تاہم بعض مقامات پر سائنسی انکشافات اور واعظانہ حکایات سے بھی مدد لی ہے ۔ مصنف کی زبان اور بیان پر عربیت کا غلبہ ہے ۔ عربی کے بھاری بھرکم الفاظ اور اصطلاحات کی بھرمار ہے ۔ کاش موجودہ دور کی رواں اور سلیس عالمانہ پیرایہ نثر اختیار کیا جاتا ۔ کتاب میں جو اقتباسات دیے گئے ہیں ان کو مناسب احتیاط سے نقل نہیں کیا گیا ۔ بعض جگہ تو ملخص پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال ہے ۔ اس سلسلے میں ص ۱۹۸ پر مندرجہ اقتباسات کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے ۔ ہمارے اہل علم کو چاہیے کہ وہ اصول تحقیق کی پابندی کریں ۔ اور نہ صرف اقتباس درج کرتے ہوئے بلکہ ' ماخذ کا حوالہ دیتے ہوئے پوری احتیاط سے کام لیں ۔ اس طرح ان کی آرا میں زیادہ وزن اور اثر پیدا ہو گا ۔

(ر ۔ ب ۔ ش)

ترجمان القرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے ' اس کے حلقہ اشاعت میں توسیع کی کوشش کرنے والے ' نومبر ۹۵ کا شمارہ خصوصی رعایتی قیمت ' (-/۷ روپے فی شمارہ) پر طلب کرسکتے ہیں ۔

مینیجر ترجمان القرآن

مدیر کے نام

رئیس الاسلام' کراچی

۱۔ رسالے کے مضامین نہایت ادق ہوتے ہیں اور عموماً خشک اور اکتا دینے والے۔ ایک عام ذوق رکھنے والے آدمی کے لیے اس میں کوئی مواد نہیں ہوتا ہے۔ رسالہ دینی معلومات کے ساتھ دلچسپ بھی بنایئے۔

۲۔ جن کتابوں پر تبصرہ ہوتا ہے وہ بازار میں نہیں ملتیں۔ ایسی کتابوں پر تبصرہ فضول ہے۔

ترجمان: ۱۔ جو پرچہ کثیرالاشاعت ہو اس کا ہر مضمون ہر قاری کے لیے یکساں سہل ہونا مشکل ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ زبان آسان ہو۔ اگر اشاعت ایک سال میں ۵ سے بڑھ کر ۲۵ ہزار ہوگئی ہے تو آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ یہ رسالہ نہ ایسا ہے جو خشک اور اکتا دینے والا ہو' نہ ایسا کہ عام ذوق رکھنے والے کے لیے اس میں کوئی مواد نہ ہو' یا یہ ایک خاص طبقہ کے لیے ہو۔

۲۔ تبصرہ کا مقصد یہ نہیں کہ ہر قاری کتاب خریدے' بلکہ کتاب خریدے بغیر بھی اس کا علمی افق وسیع ہو گا۔

اکرام قریشی' سیالکوٹ

رسائل و مسائل میں سوال باریک عبارت میں اور جواب ذرا موٹے الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو ایک تکلف ہی ہے۔ اگر سوال کے شروع میں "س" اور جواب کے شروع میں "ج" کے حروف لکھ دیے جائیں تو قاری کو باریک اور موٹی عبارت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مولانا مرحوم و مغفور کے اپنے دور میں ایسا ہی تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ گذشتہ ایک دو ماہ کے ترجمان میں' میں نے دیکھا ہے کہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف' نہیں لکھا جارہا۔ پہلے تو میں نے یہ گمان کیا کہ شاید سہواً ایسا ہو گیا ہے مگر اب ستمبر ۹۵ کا شمارہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دعائیہ الفاظ بالارادہ نہیں لکھے جارہے۔ آیندہ اپنی تحریروں میں مولانا مرحوم و مغفور کے لیے دعائیہ احترام کے الفاظ پورے یا کم سے کم ان کا مخفف ضرور استعمال کریں۔

آپ ترجمان سے متعلق اپنے دور کی خوبیاں تو ہر شمارہ میں دیتے ہیں' کیا آیندہ شمارہ میں ہماری گزارشات کا بھی کوئی ذکر ہو سکتا ہے؟

ترجمان: ۱۔ رسائل و مسائل میں ٹائپ کا فرق اور 'ج' 'س' کا استعمال اکثر ایڈیٹوریل بورڈ میں زیر بحث

آ رہا ہے ۔ ہر دفعہ ٹائپ کے فرق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے ۔ یہ ٹائپ ڈیزائن کا معروف طریقہ ہے ' سوالات ' اقتباسات اور فٹ نوٹ کے لیے ۔ رسائل و مسائل کی کتابیں بھی اسی طرز پر کتابت ہوتی ہیں ۔

۲۔ میرے بھائی ' اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے بچنے کا حکم بھی تو دیا ہے ' اور نبی کریم ؐ نے ایاکم و الظن ، ان الظن اکذب الحدیث ارشاد فرمایا ہے ۔ آپ نے رح کے مسئلے پر تین صفحات لکھ دیے ہیں ' اور بے شمار سوئے ظن اور قیاس پر مبنی الزامات عاید کر دیے ہیں ۔ پہلے تو آپ سوال کر لیتے کہ رح کیوں نہیں لکھ رہے ؟ پھر جواب سے اطمینان نہ ہوتا تو خیالات کے گھوڑے دوڑاتے ۔ کم سے کم احکام الٰہی اور آداب اخوت کا تقاضا تو یہی ہے ۔ خصوصاً جب آپ نے ایک دو ماہ ہی سے "رحؒ" کو مفقود پایا ہے ۔ چنانچہ بغیر تحقیق آپ کو میرے ارادے کا علم ہو گیا کہ یہ الفاظ بالارادہ نہیں لکھے جا رہے ۔ تمام بزرگان کے لیے استعمال ہوتا ہے تو مولانا مودودی کے لیے کیوں نہ ہو ۔ جب مسلسل لکھا جا رہا ہے اور دو ماہ سے مفقود ہے تو یقیناً کوئی خاص وجہ ہوگی ۔ یہ "دعائیہ الفاظ ' احترام کے الفاظ سے لکھنے سے باز رہیں" "ستم ظریفی ہے" "کسر شان سمجھتے ہیں (دو ماہ پہلے نہ سمجھتے تھے) "مولانا کے ساتھ یہ زیادتی وائے ناکامی" ۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے موجودہ کمپوزنگ کی مشین میں "رح" کے الفاظ نکالنے کا کوئی مناسب انداز نہ تھا ' بہت فاصلے سے اور بعد میں آتے تھے ۔ اب ان سے کہا گیا ہے کہ اس کا انتظام کریں ۔ جب تک وہ نہیں کرتے ' ادارتی بورڈ نے فیصلہ کیا کہ کسی کے نام کے ساتھ بھی نہ لکھے جائیں ۔ اس لیے کہ یہ نہ فرض ہے نہ سنت ' مستحب اور اپنے دل کی آواز ہے ۔

غازی الدین احمد ' کراچی

"میں ایک درخت ہوں" (نومبر ۹۵) کے زیر عنوان آپ نے اللہ تعالیٰ کی صنعت و حکمت کی کارفرمائی کی جھلکیاں جس اسلوب اور پیرایہ میں دکھائی ہیں اس کو پڑھ کر میں عش عش کرتا رہ گیا ۔ اور میرا وجدان سجدہ ریز ہو گیا ۔ ایسا ہی ایک مضمون محترم رضی احمد صاحب صدیقی "میں کہ زندگی ہوں" (ستمبر ۹۴) کے عنوان سے تحریر کر چکے ہیں ' جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ۔ میرا خیال ہے ' ترجمان میں ایسے اچھوتے انداز اور نئی جہت لیے ہوئے مقالے پہلی مرتبہ شائع ہو رہے ہیں ۔

راجہ بشیر عثمانی ' ریاض ' سعودی عرب

آپ نے جس محنت اور جانفشانی سے "ترجمان القرآن" کو ایک مثالی مجلہ بنایا ہے اس کے لیے ہماری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں ۔ اللہ تعالیٰ مزید زور قلم دے ۔ "ترجمان القرآن" کے مطالعہ سے نہ صرف موجودہ حالات سے آگاہی ہوتی ہے بلکہ بہت سارے سوالات جو ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کے جوابات بھی مل جاتے ہیں ۔ اس کا معیار ہر طرح سے بلند ہے ۔ تمام مضامین بہت محنت سے لکھے گئے ہیں اور خاص کر اشارات کی تو بات ہی کیا ۔ وطن سے دور رہتے ہوئے جب بھی ترجمان القرآن ہاتھوں میں پہنچتا ہے اس کو پڑھ کر ایک نیا جذبہ اور ولولہ ملتا ہے ۔ ہماری دعائیں نیک تمنائیں اور بہت سی امیدیں آپ سے وابستہ ہیں ۔ اللہ کرے پوری ہوں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لیے سفر کرے تو اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دے گا۔ (مسلم)

آئیے کار مسیحائی کریں

الخدمت ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) نے پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے تعاون سے کراچی کے پسماندہ علاقے ضلع غربی میں اورنگی ٹاؤن، قصبہ، علیگڑھ کالونی، بنارس اور قرب وجوار میں رہائش پذیر دکھی لوگوں کے لئے جدید سہولیات سے آراستہ ۱۰۰ بستروں کے ہسپتال کا منصوبہ تشکیل دیا ہے، اس منصوبے کے تعمیراتی اخراجات کا تخمینہ دو کروڑ روپے ہے۔

الخدمت ہسپتال

بالمقابل اورنگی ٹاؤن تھانہ، اورنگی ٹاؤن کراچی

فون: 6668893 - 6668894 فیکس: 6652883

اپنے عطیات بنام الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ) اکاؤنٹ نمبر 6/6
مسلم کمرشل بنک خداداد کالونی برانچ میں جمع کروائیں

الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ)

عطیہ اشتہار - پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی۔

نیکیوں کے موسم بہار ' ماہ رمضان کی آمد آمد ہے

ابھی سے تیاری کیجیے ، آج ہی آرڈر دیجیے

اعزہ و احباب کو تحفہ دینے کے لیے '

[مساجد اور تعلیمی اداروں میں تقسیم کرنے کے لیے]

رمضان کے تحفے

1-	استقبال رمضان	400	روپے فی سیکڑہ
2-	قرب الٰہی کے آسان عملی طریقے	250	" " "
3-	تربیت کی پہلی منزل	400	" " "
4-	عہد وفا اور وفائے عہد	300	" " "
5-	محاسبہ نفس	60	" " "
6-	قیام لیل	60	" " "
7-	رب کے در پہ	50	" " "

اس کے علاوہ ترجمان کے ۱۵ اہم مضامین کے ری پرنٹس بھی تقسیم عام کے لیے سیکڑہ کے حساب سے دستیاب ہیں۔ تفصیلات کے لیے رابطہ کیجیے

نوٹ :- آرڈر کی تعمیل نقد ادائیگی ' ڈرافٹ یا وی پی کی صورت میں ہوگی ۔

منشورات

ملتان روڈ ' منصورہ ' لاہور 54570

فیکس :- 7832194

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵ ۔ اے ذیلدار پارک ' اچھرہ ' لاہور سے شائع کیا

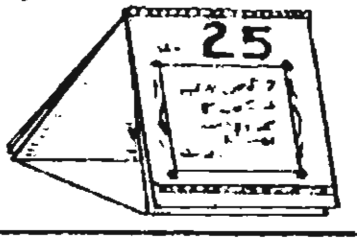
سمع و بصر
علی ہاؤس، ۹ کمرشل زون
کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون: 5411546
فیکس: 5419541

گفٹ سکیم
تعارف

SAMA-O-BASAR
سمع و بصر

رمضان المبارک اور پھر عید کے موقع پر اپنے احباب اور ننھے بچوں کے لئے تحائف بھیجیں۔ ہر تحفے کے ساتھ ایک تہنیتی کارڈ بھی آپ کے پیغام کے ساتھ بھیجا جائے گا۔

سدا بہار کیلنڈر، پانچ رنگوں میں، پُروقار، دیدہ زیب طباعت
31 صفحات، ہر صفحہ پر اردو ترجمہ قرآن / حدیث
ترتیب: پروفیسر مسلم سجاد
تدوین، پروفیسر عنایت علی خان
زرِتعاون: 90 روپے

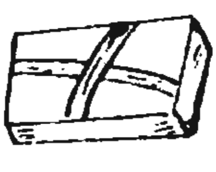


کتاب کہانی نمبر 1، ایک کیسٹ کے ساتھ 4 خوبصورت کتابیں
بچوں کے لئے نئے انداز میں نئی کوشش، لفظ بہ لفظ دلنشیں انداز، پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ
زرِتعاون 85 روپے





دس آڈیو کیسٹ، خوبصورت گفٹ پیک میں، پسند آپکی اپنی،
ہمیں صرف عنوانات بتا دیں، تحفہ بھی، تعلیم بھی۔ زرتعاون 225 روپے



VHS ویڈیو کیسٹ، نیشنل جاپان، گفٹ پیک میں، ہماری فہرست سے عنوان پسند کریں۔
تحفہ بھیجنے کا نیا انداز
زرِتعاون: 200 روپے

تفصیلات کے لئے رابطہ کیجئے:
زرتعاون بذریعہ بنک ڈرافٹ، منی آرڈر یا نقد وصول کیا جائے گا۔ چیک کی صورت میں چیک کیش ہونے پر تحفہ روانہ کیا جائے گا۔

REGD. NO. L 5340

PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE